سلسلہ اشاعت نمبر 10

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو سلطنت عثمانیہ کا مخالف قرار دینے کی سازش کا سنجیدہ اور مسکت جواب

سلطنت عثمانیہ اور امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ

مرتبین
غلام طٰہٰ نوری ★ محمد فضل رب رضوی ★ محمد ساجد خان رضوی

رضا دار المطالعہ
دار العلوم غوثیہ ضیاء القرآن کرلا ممبئی

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کو سلطنتِ عثمانیہ کا مخالف قرار دینے کی سازش کا سنجیدہ اور مسکت جواب

سلطنتِ عثمانیہ

اور

امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ

تالیف:

• غلام طٰہٰ نوری • محمد فضل رب رضوی

• محمد ساجد خان رضوی

ناشر

رضا دارالمطالعہ، دارالعلوم غوثیہ ضیاء القرآن کرلا، ممبئی ۷۰

تعارف

کتاب : سلطنتِ عثمانیہ اور امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ

تالیف : غلام طٰہٰ نوری، محمد فضل رب رضوی، محمد ساجد خان

خلیفۂ حضور تاج الشریعہ

تصحیح : حضرت علامہ مولانا مفتی محمد ساجد علی مصباحی

صاحب قبلہ (شیخ الحدیث دارالعلوم غوثیہ ضیاء القرآن)

خلیفۂ حضور تاج الشریعہ

نظر ثانی : حضرت علامہ مولانا مفتی محمد نعیم الحق ازہری

صاحب قبلہ (صدر المدرسین دارالعلوم غوثیہ ضیاء القرآن)

کمپوزنگ : بدستہائے خود

سنِ اشاعت : ۲۰۲۲ء مطابق ۱۴۴۳ھ

صفحات : ۹۶

تعداد : گیارہ سو

ناشر : رضا دارالمطالعہ، دارالعلوم غوثیہ ضیاء القرآن، کرلا، ممبئی ۷۰

شرفِ انتساب

خلفائے راشدین و تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نام۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اور

خلفائے اسلام اور سلاطینِ اسلام کے نام۔۔۔۔۔

جن کے نظامِ عدل وانصاف نے اسلامی سرحدوں کو وسعت دی۔ اور دنیا کو رعایا پروری کے طریقوں سے روشناس کرایا۔

سوئے دریا آوردم صدف

گر قبول افتد زہے عز وشرف

فہرست

حرفِ آغاز

خلیفۂ حضور تاج الشریعہ، ناشر مسلک اعلیٰ حضرت، قاطع نجدیت، حضرت

علامہ مولانا مفتی محمد **ساجد علی** رضوی مصباحی ناگوری

مبسملاً و محمدًا و مصلیاً

تعصب ناسور سے بھی بدتر خصلت ہے، جو انسان کو قبول حق سے روک دیتی ہے۔ افسوس کہ تعصب وعصبیت نے دینی اہم منصب پر فائز عظیم شخصیات کو بھی نہیں بخشا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کے مخالفین نے جوش عناد وتعصب میں ایک طرف ان کے فضائل وکمالات پر پردہ ڈالنے کی سعی نامسعود کی، دوسری طرف انصاف و دیانت کا خون کرتے ہوئے ان کی شخصیت پر جھوٹے الزامات لگانے کو اپنی کامیابی تصور کیا۔

مخالفین رضا نے فرقہ وارانہ عصبیت کے آسیب کا شکار ہو کر اس عبقری اور نادر روزگار ہستی پر جو بے بنیاد الزامات لگائے۔ انھیں میں ایک الزام یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ سلطنت عثمانیہ کے سخت مخالف تھے اور اس سلطنت اسلامیہ کو پسند نہیں کرتے تھے، اور اس جھوٹ کو سہارا دینے کے لیے ایک مفروضہ تو یہ تیار کیا کہ وہ سلطنت عثمانیہ کو خلافت تسلیم نہیں کرتے، اور دوسرا مفروضہ یہ تراشا کہ جب سلطنت عثمانیہ کی حمایت میں ملک بھر میں تحریک خلافت شروع ہوئی تو اعلیٰ حضرت نے اس تحریک خلافت کی مخالفت کی۔

بظاہر تو مخالفین کی دونوں باتیں بڑی وزنی اور باقوت معلوم ہوتی ہیں۔ مگر حقائق

کی تہہ میں اترنے کے بعد یہ عقدہ کھلتا ہے کہ دشمن نے کتنی عیاری سے ہاتھ صاف کیا ہے۔ خود کلام رضا میں معاندین کے ان بے بنیاد اعتراضات کے بھرپور جوابات موجود ہیں، اور علماے اہل سنت نے بھی مختلف مقامات پر مخالفین کو ان کے گھر تک پہنچایا ہے۔ مگر بہت سے لوگوں تک ابھی یہ سب باتیں نہیں پہنچ پائی ہیں۔ خاص طور سے برصغیر کے باہر بسنے والے حضرات اس فریب کاری سے اچھی طرح واقف نہیں ہو پائے۔ لہذا ضرورت تھی کہ قلب میں عظمت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا چراغ روشن کرنے والے اپنے عظیم محسن کی ذات سے اس بے بنیاد الزام کی حقیقت سے عوام کو روشناس کرایا جائے۔

"دار العلوم غوثیہ ضیاء القرآن کرلا" جو سرزمین ممبئی میں مسلک اعلیٰ حضرت کی ترویج واشاعت کا ایک عظیم ادارہ ہے۔ اس سال (۲۰۲۲) اس ادارے سے درجۂ فضیلت سے فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ نے اپنے امام کے دفاع میں قلم اٹھایا۔ مختصر طور پر مخالفین کے اس بے جا الزام کا منہ توڑ جواب دیا، اور اس حقیقت کو مدلل اور مبرہن کیا کہ اعلیٰ حضرت تحریک خلافت کے مخالف نہیں تھے بلکہ اس میں در آنے والی غیر شرعی خرابیوں کے سبب اس کے طریقۂ کار سے اختلاف رکھتے تھے، اور شرط قرشیت مفقود ہونے کے سبب سلطنت عثمانیہ کو اگرچہ خلافت نہیں مانتے تھے مگر اس سلطنت اسلامیہ عثمانیہ کی حمایت وتعاون اور استحکام کے لیے کوشاں ہونے کے ساتھ اس کے بدخواہوں کا محاسبہ کرتے، اور دوسروں کو اس کے تعاون کی ترغیب دیا کرتے تھے۔ اس کے باوجود اعلیٰ حضرت کو سلطنت عثمانیہ کا باغی قرار دینا تاریخ کا ایک بہت بڑا جھوٹ ہے۔

ان شاء اللہ جو بھی ٹھنڈے دل اور دیانت داری کے ساتھ کتاب کے مندرجات کو پڑھے گا اس پر حق ظاہر ہو جائے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان طلبۂ کرام کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر مقبول انام بنائے۔ آمین بجاہ النبی سید المرسلین علیہ الصلاۃ والتسلیم۔

محمد ساجد علی رضوی مصباحی
استاد دار العلوم غوثیہ ضیاء القرآن کرلا ممبئی

۸؍رجب المرجب ۱۴۴۳ھ
۱۰؍فروری ۲۰۲۲ء

باب اوّل

خلافت، خلیفہ، اہمیت و مقام

خلافت کا لغوی اور اصطلاحی معنی

خلافت کا لغوی معنی نیابت، جانشینی اور قائم مقامی ہے۔

خلافت کی اصطلاحی تعریف: امامت کبریٰ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت مطلقہ کو کہتے ہیں۔

علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب شرح العقائد میں فرماتے ہیں:

"خلافتهم ای نیابتهم عن الرسول فی اقامة الدین بحیث یجب علی کافة الامم الاتباع".

(شرح العقائد، ص ر ۱۰۸، مطبوعہ: رضا اکیڈمی)

یعنی ان کی خلافت یعنی ان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہونا اقامت دین میں اس حیثیت سے کہ تمام امت پر ان کا اتباع واجب ہے۔

علامہ فضل الرسول بدایونی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب "المعتقد المنتقد" میں ارشاد فرماتے ہیں:

"والامامة خلافة الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فی اقامه الدین وحفظ حوزة المسلمین بحیث یجب اتباعه علی کافة الامة". (المعتقد المنتقد المستند المعتمد، ص ر ۱۹۰، مطبوعہ: المجمع الاسلامی)

یعنی اور امامت (کبریٰ) اقامت دین میں اور مسلمانوں کی ملکیت کی حفاظت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہونا اس طور پر کہ تمام لوگوں پر ان کا اتباع ضروری ہے۔

شرح المواقف میں میر سید شریف جرجانی علیہ الرحمۃ امامت کبریٰ کا معنی بیان

کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"والاولیٰ ان یقال: ھی خلافۃ الرسول فی اقامۃ الدین بحیث یجب اتباعہ علی کافۃ الامۃ".

(شرح المواقف، المقصد الاول، ج/۸، ص/۳۷۶، مطبوعہ: دار الکتب العلمیۃ، بیروت)

دین کو قائم کرنے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین ہونا اس طور پر کہ پوری امت پر اس کی پیروی لازم ہے۔

❁❁❁

خلیفہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف

خلیفہ نائب یا جانشین کو کہتے ہیں۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں:

"والخلیفۃ من یخلف غیرہ وینوب منابہ والھاء فیہ للمبالغۃ". (تفسیر البیضاوی، ص/۲۴۶، مطبوعہ: مکتبۃ البشریٰ، کراچی، پاکستان)

خلیفہ وہ ہے جو اپنے غیر کے پیچھے ہو اور اس کا قائم مقام ہو اور اس میں "ہا" مبالغہ کے لیے ہے۔

خلیفہ کی اصطلاحی تعریف: خلیفہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب مطلق کو کہتے ہیں۔

"امامت کبریٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت مطلقہ، کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت سے مسلمانوں کے تمام امور دینی و دنیوی میں حسب شرع تصرف عام کا اختیار رکھے، اور غیر معصیت میں اس کی اطاعت تمام جہان کے مسلمانوں پر فرض ہو۔ اور اس کے لیے مسلمان، آزاد، عاقل،

مرد، بالغ، قادر، قرشی ہونا شرط ہے"۔

(بہار شریعت، امامت کا بیان، ج ر ۱، ح ر ۱، ص ر ۲۴۳، مطبوعہ: المکتبۃ المدینۃ)

اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ اپنے ایک رسالہ دوام العیش میں تحریر فرماتے ہیں:

"حکمرانی وجہاں بانی میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب مطلق تمام امت پر ولایت عامہ والا ہے"۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ر ۱۴، ص ر ۱۸۴، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

اسلام میں خلافت کی اہمیت

اسلام میں خلافت بہت اہم امر ہے۔ قرآن مقدس میں خلافت کا لفظ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے لیے وارد ہوا، چنانچہ رب تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً" میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ نہ صرف حضرت آدم بلکہ تمام انبیاے کرام علیہم السلام خلیفۃ اللہ ہیں حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں ارشاد ہوا: "یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ" اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں نائب کیا۔

ایک جگہ فرمایا: "وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَاءَ الْاَرْضِ"۔ اور تمھیں زمین کے وارث کرتا ہے۔ اور فرمایا: "وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ"۔ وہی ہے جس نے زمین میں تمھیں نائب کیا۔

ایک جگہ خلافت کا وعدہ فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: "وَعَدَ اللّٰہُ

الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ"۔ اللہ نے وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ ضرور انھیں زمین میں خلافت دے گا جیسی ان سے پہلوں کو دی۔

اس آیت کی تفسیر میں مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت خلافت راشدہ کی دلیل ہے اور صرف خلافت راشدہ کے ساتھ خاص ہے، مگر تفسیر رضوی میں علامہ حشمت علی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"اگر چہ سبب نزول اس کا صحابہ کی کمزور حالت تھی، مگر حکم و وعدہ ونصرت عامہ مومنین کے لیے ہے جو نیکوکار عبادت گزار ہوں۔ کسی ملک وزمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بعض روایات میں جو اس کی تخصیص صحابۂ کرام کے ساتھ آئی ہے وہ تخصیص مورد ہے نہ تخصیص حکم۔ مطلب یہ ہے کہ تم میں جو ایمان لائے اور نیک کام کیے ان سے اللہ نے وعدہ فرمایا کہ انھیں عرب وعجم کی زمین میں ضرور خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان سے پہلوں کو بنایا تھا یعنی بنی اسرائیل کو"۔

(تفسیر رضوی، پارہ/۱۸، سورۃ النور، ج/۳، ص/۱۷۲، مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی)

ان آیات کریمہ سے خلافت کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین میں بھی جابجا امر خلافت کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا۔ بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے:

"بنی اسرائیل میں سیاسی قیادت انبیاے کرام علیہم السلام کے ہاتھ میں تھی۔ جب ایک نبی دنیا سے چلا جاتا تو اس کی جگہ دوسرا نبی آجاتا اور

میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے''۔ البتہ میرے بعد خلفا ہوں گے۔

(بخاری، کتاب احادیث الانبیا، باب/۵۰، حدیث/۳۴۵۵، ص/۴۳۵، مطبوعہ: دارالکوثر، قاھرہ مصر)

اس ارشاد میں دینی اور سیاسی قیادت کو خلفا کے حوالے کر دیا گیا۔

آج کے دور میں مسلمانوں کے اوپر جو بھی مظالم ڈھائے جا رہے ہیں اس کی ایک وجہ مسلمانوں کا کسی ایک جھنڈے کے نیچے جمع نہ ہونا ہے۔ خلافت ایک ایسا امر ہے کہ جو شرعی خلیفہ ہوگا اور پوری دنیا کے مسلمانوں پر حکومت کرتا ہے، اور تمام مسلمانوں پر حتی کہ بادشاہوں پر بھی اس کا حکم ماننا لازم ہے۔ اور پوری دنیا کے مسلمان ایک جھنڈے کے نیچے جمع رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ دنیا کے کسی بھی ملک میں جو بھی سلنطت ہو وہ شرعی خلیفۂ وقت کی حکم عدولی نہیں کر سکتی، اگر ابھی کوئی خلیفہ ہوتا تو مسلمانوں پر ہونے والے ظلم کے خلاف اعلان جہاد کرتا اور یہ مظالم نہیں ہونے دیتا۔ اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ سلطان عبد الحمید اگرچہ خلیفہ نہ تھے مگر ان کے دور میں جب فرانس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کی گئی اور آپ کے اوپر کارٹون بنائے گئے تو سلطان عبد الحمید نے کہا تھا کہ اگر فرانس ان گستاخیوں کو نہیں روکتا ہے تو میں علم جہاد بلند کرتا ہوں، اور تمام امت مسلمہ کو جہاد کی دعوت دیتا ہوں نتیجہ یہ ہوا کہ گستاخی دب گئی۔ یونہی جب چند مسلم خواتین ہندوستان میں قید کر لی گئی تھیں تو محمد بن قاسم نے خلیفۂ وقت کے حکم پر سندھ پر حملہ کر کے ان کو رہا کرایا۔ اسی طرح خلیفۂ وقت کی طرف سے مسلمانوں کے حق میں حمایت کی جاتی ہے۔

❁❁❁

کیا خلافت کا قیام واجب ہے؟

امام ابن حجر مکی نے اپنی کتاب ''الصواعق المحرقۃ'' میں خلافت کے قیام کو

اہم الواجبات قرار دیا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اسے آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین پر مقدم رکھا اور بعد وصال خلیفہ کا انتخاب مقدم رکھا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے "ازالۃ الخفا" میں خلافت کا قیام واجب ہونے پر تین دلائل پیش کیے:

(۱) پہلی دلیل یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی توجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن سے بھی پہلے خلیفہ کے تعین و تقرر کی طرف مائل ہوئی لہذا معلوم ہوا کہ اگر صحابہ کرام کو شریعت کی طرف سے خلیفہ مقرر کرنے کی فرضیت اور اس کے مقرر کرنے میں تاخیر کی ممانعت معلوم نہ ہوتی تو وہ حضرات ہرگز خلیفہ کے تقرر کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن پر مقدم نہ کرتے۔ یہ تقریر صرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے فعل کو ثابت نہیں کرتی بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجمالاً دلیل شرعی کا خاص اس مسئلہ میں پایا جانا ثابت کرتی ہے۔

(۲) حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں وارد ہے کہ: "من مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة". جو شخص اس حال میں مرے کہ اس کی گردن میں کسی خلیفہ کی بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی سی موت مرا۔ یہ حدیث نص شرعی ہے تفصیلا (یعنی حقیقۃً مرفوع ہے)۔

(۳) کہ خدا تعالیٰ نے جہاد، فیصلہ خصومات، علوم دین کے زندہ رکھنے ارکان اسلام قائم رکھنے کو فرض کفایہ کر دیا ہے اور یہ سب باتیں بغیر امام (یعنی خلیفہ) کے مقرر کیے ہوئے صورت پذیر نہیں ہو سکتیں، اور کلیہ قاعدہ ہے کہ فرض کفایہ کا حصول جس چیز پر موقوف ہو وہ چیز بھی فرض کفایہ ہوتی ہے۔ بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے اس کلیہ

قاعدہ پر امت کو متنبہ کردیا ہے۔

(ازالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفا، ج ر ۱، ص ر ۱۷، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ)

ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ رسول گرامی وقار صلی اللہ علیہ وسلم نے خلافت کو تیس سالوں میں مقید فرمایا تو تیس سال کے بعد کوئی خلیفہ نہ ہوگا اور مسلمانوں پر خلیفہ بنانا واجب اور ترک واجب گناہ لہذا تمام امت گنہگار رہوئی۔

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں: ''امامت بے شک عام ہے اور علامہ موصوف یعنی علامہ تفتازانی نے ''شرح مقاصد'' میں اسی اعتراض کو ذکر کر کے ایک بہت صحیح و واضح جواب سے دفع فرماتے ہیں:

''فان قیل لو وجب نصب الامام لزم اطباق الامة فی اکثر الاعصار علی ترك الواجب لانتفاء الامام المتصف بما یجب من الصفات، سیما بعد القضاء الدولة العباسیة، قلنا انما یلزم الضلالة لو ترکوه عن قدرة واختیار لاعجز واضطرار''.

''اگر کہا جائے کہ نصب امام واجب ہوتا تو اکثر زمانوں میں ترک واجب پر امت کا اتفاق لازم آتا ہے کہ امام کے لیے جو صفات لازم ہیں ایسا مدت سے نہیں، خصوصاً جب سے دولت عباسیہ نہ رہی خلافت کا نام نشان تک نہ رہا، اور ایسا ترک واجب گمراہی ہے، اور گمراہی پر امت کا اتفاق محال، تو ہم جواب دیں گے کہ گمراہی تو جب ہوتی کہ ان کے بعد امت نصب امام پر قادر ہوتی اور قصداً ترک کرتی، عجز و مجبوری کی حالت

میں کیا الزام ہو"۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ر ۱۴، ص ر ۲۰۳، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا)

اس سے واضح ہوا کہ ۱۳۴۳ھ سے خلافت منقطع ہونے کے باوجود امت گنہ گار نہیں ہے، جیسا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خلافت جب بنی عباس کو پہنچے گی۔ ظہور مہدی تک اور کو نہ ملے گی۔ ظاہر ہوا کہ ۱۳۴۳ھ سے آج تک اور آج سے ظہور امام مہدی تک کوئی غیر عباسی خلیفہ نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔ جو دوسرے کو خلیفہ مانے وہ حدیث کی تکذیب کرتا ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ر ۱۴، ص ر ۲۰۵، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا)

اسلام میں خلیفہ کا مقام

خلیفہ کا مقام میں اسلام بہت ہی بلند و بالا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مقدس میں ارشاد فرمایا:

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ"
(النساء. ۵۹)

اے مومنو! حکم مانو اللہ کا، اور حکم مانو رسول کا، اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔

اس آیت میں "اولوالامر" سے مراد کون ہیں؟ حضرت ملا جیون فرماتے ہیں:

"اکثر حضرات کا یہ موقف ہے کہ اس سے مسلمانوں کے امرا و خلفا مراد ہیں۔ یہ قول مشہور قول ہے"۔

(تفسیرات احمدیہ، مسئلہ ر ۷۱، ص ر ۲۱۸، مطبوعہ: ادبی دنیا)

اگر اولوالامر سے مراد لیے گئے دوسرے اقوال کو لیا جائے یعنی اس میں امیر، خلیفہ، مفتی، قاضی سب مراد ہیں پھر بھی کچھ ایسے فرق ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام میں سب سے بلند مرتبہ خلیفہ کا ہی ہے۔ خلفا میں بھی سب سے بلند مرتبہ خلفاے راشدین کا ہے۔

ایک زمانے میں خلیفہ منصور نے امام اعظم ابوحنیفہ کو فتویٰ دینے سے منع کر دیا تھا۔ اسی دوران امام اعظم سے آپ کی صاحبزادی نے گھر میں ایک مسئلہ پوچھا تو امام اعظم علیہ الرحمۃ نے فرمایا: میں جواب نہیں دے سکتا کہ خلیفہ نے منع کیا ہے۔ امام اعظم علیہ الرحمۃ کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ کے حکم کی کتنی اہمیت ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک خلیفہ کا یہ مقام ہوتا ہے کہ جو اس کی برائی کرتا ہے اللہ اس کو عذاب میں مبتلا فرماتا ہے۔ چنانچہ اعلیٰ حضرت نے ایک واقعہ تحریر فرمایا کہ جب خلیفہ مستکفی باللہ نے شعبان ۷۴۰ھ یا ۷۴۱ھ میں وفات پائی اور اپنے بیٹے احمد حاکم بامر اللہ کو اپنا ولی عہد کیا، سلطان ناصر الدین محمد بن قلادون ترکی مستکفی باللہ سے ناراض ہو گیا اور ۱۸ر ذی الحجہ کو اسے مصر کے باہر شہر ''قوص'' میں مقیم کیا، اگرچہ ادارات پہلے سے زائد کر دیے اور سکہ خلیفہ ہی کا تھا، مگر اس نے اس عہد کو نہ مانا اور جبراً خلیفہ مستکفی کے بھتیجے ابراہیم بن محمد حاکم بامر اللہ کے لیے بیعت لے لی۔

امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ناصر بن قلادون پر اس کے سب سے زیادہ عزیز بیٹے ''امرانوک'' کی موت کی مصیبت ڈالی اور یہ اسے پہلی سزا دی، پھر مستکفی کے بعد سلطنت سے ناصر الدین فائدہ نہ اٹھا سکا اور ایک سال کچھ دنوں بعد اللہ تعالیٰ نے اسے بھی ہلاک فرمایا، اور جن کے نزدیک مستکفی کی وفات ۷۴۱ھ کی ہے ان کے اعتبار سے تین مہینے بعد مر گیا۔ امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔

"سنة الله فیمن مس احدا من الخلفاء بسوء، فان الله یقصمه عاجلا، ومایدخره له فی الاخرة من العذاب اشد".

(حسن المحاضرہ فی تاریخ مصر والقاھرہ، ج ۲، ص ۶۸، مطبوعہ: داراحیاء الکتب العربیۃ)

ترجمہ: سنت الٰہیہ ہے کہ جو بھی خلیفہ کی برائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہلاک فرما دیتا ہے، اور جو آخرت میں اس کے لیے عذاب رکھتا ہے وہ سخت تر ہے۔

پھر اولاد ابن قلادون میں جو بھی بادشاہ ہوا تخت سے اتارا گیا اور قید و جلاوطنی یا قتل کیا گیا۔ خود ابن قلادون کا صلبی بیٹا جو کہ اس کے بعد تخت پر بیٹھا دو مہینے سے کم میں اسے اتار دیا گیا۔ اور مصر سے قوص ہی بھیجا گیا جہاں ابن قلادون نے خلیفہ کو بھیجا تھا اور وہیں قتل بھی کیا گیا۔ ناصر نے چالیس برس سے زیادہ سلطنت کی اور اس کی نسل میں بارہ سلاطین ہوئے، ان کی مجموعی مدت بھی ۴۰ سال نہ ہوئی۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۱۴، ص ۱۸۰، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا)

خلیفہ اور سلطان میں فرق

(۱) خلیفہ وہ ہے جو حکمرانی و جہاں بانی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب مطلق ہو اور تمام امت پر ولایت عامہ والا ہو۔ اور سلطان وہ ہے جس کا تسلط و قہری ملکوں پر ہو، چھوٹے چھوٹے والیان ملک اس کے زیر نگیں ہوں۔

(۲) خلیفہ کی اطاعت غیر معصیت الٰہی میں تمام امت پر فرض ہے۔ اور سلطان

کی اطاعت صرف اپنے قلمرو پر۔

(۳) خلیفہ نے جس مباح کا حکم دیا حقیقتاً فرض ہو گیا، جس مباح سے منع کیا حقیقتاً حرام ہو گیا، یہاں تک کہ تنہائی وخلوت میں بھی اس کا خلاف جائز نہیں کہ خلیفہ نہ دیکھے اللہ دیکھتا ہے تو حکم خلیفہ نافذ ہو گا اگر چہ خلیفہ ظالم ہو۔ اور سلطان متغلب (جس کی ولایت خلیفہ کی دی ہوئی نہ ہو) اس کے اوامر ونواہی سے مباح فی نفسہا واجب وحرام نہ ہوں گے۔

(۴) خلیفہ ایک وقت میں تمام جہاں میں ایک ہی ہو سکتا ہے، اور سلطان دس ملکوں میں دس۔

(۵) کوئی سلطان اپنی سلطنت قائم کرنے میں دوسرے سلطان سے اذن کا محتاج نہیں ہوتا مگر ہر سلطان اذن خلیفہ کا محتاج ہے۔

(۶) خلیفہ بلا وجہ شرعی کسی بڑے سے بڑے سلطان کے معزول کرنے سے معزول نہیں ہو سکتا، اور سلطان صرف خلیفہ کے ''میں نے تجھے معزول کیا'' کہہ دینے سے معزول ہو جاتا ہے۔

(۷) سلطنت کے لیے قرشیت درکنار حریت بھی شرط نہیں، مگر یہ دونوں چیزیں خلافت میں شرط ہیں۔

تو خلیفہ اور سلطان کے فرق ظاہر ہو گئے۔ اور یہ بھی ثابت ہو گیا کہ خلیفہ کا مقام سلطان سے بہت ارفع واعلیٰ ہے۔ اور سلطان نچلا درجہ ہے، لہذا کسی خلیفہ کو سلطان نہیں کہا جاتا کہ وہ اس کے لیے کسر شان ہے۔ کبھی بھی سلطان ابوبکر یا سلطان عمر فاروق یا سلطان عثمان غنی یا سلطان علی یا سلطان ہارون رشید نہیں آتا۔ تو جس کے نام کے ساتھ سلطان لگا ہو وہ خلیفہ نہیں ہو گا۔ (ملخصاً فتاویٰ رضویہ، ج ر ۱۴، ص ر ۱۸۴، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا)

❁❁❁

باب دوم

سلطنت عثمانیہ اور امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ

سلطنت عثمانیہ کی مختصر تاریخ

سلطنت عثمانیہ ایک عظیم مسلم سلطنت تھی۔ جو ۱۲۹۹ء سے ۱۹۲۲ء تک تقریباً ۶۲۳ سال تک قائم رہی۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد یہ سلطنت ختم ہوگئی۔ اس سلطنت میں ۳۷ حکمراں ہوئے۔ کچھ جگہ حکمرانوں کی تعداد میں جو اختلاف پایا جاتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ سلطان عبدالحمید کے دور کے بعد یہ سلطنت تحلیل ہونے لگی تو بعض نے آزاد ممالک کو شمار کیا اور بعض نے نہیں کیا۔

عثمانیوں کا تعلق ایک ترکمانی قبیلے سے ہے، جس کا وجود ساتویں صدی ہجری اور تیرہویں صدی عیسوی کو ''کردستان'' میں ہوا۔ جب چنگیز خان کی قیادت میں منگولوں نے عراق اور ایشیائے کوچک پر حملہ کیا تو عثمان کا دادا سلیمان شاہ کردستان چھوڑ کر اناضول میں آکر بس گیا۔ سلیمان کی وفات ۶۸۸ھ میں ہوئی، وفات سے قبل اس نے اپنے صاحبزادے ارطغرل کو اپنا جانشیں بنایا۔

ارطغرل جب اپنے قبیلے کو لے کر منگولوں کے خطرے سے بچتے ہوئے نکلا تو ایک ایسے مقام پر پہنچا جہاں مسلمان اور نصرانیوں کے درمیان جنگ کا میدان گرم تھا، ارطغرل نے مسلمانوں کی مدد کرتے ہوئے اتنا زبردست حملہ کیا کہ نصرانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی۔ جب معرکۂ کارزار ختم ہوا تو سلجوقی اسلامی لشکر کے سپہ سالار نے ارطغرل کی داد و تحسین کی۔ ۶۹۹ھ میں ارطغرل کا وصال ہوا۔

(۱) **سلطان عثمان غازی:** ۶۵۶ھ میں ہلاکو خان کی قیادت میں منگولوں نے عباسی خلافت کے دارالحکومت بغداد پر حملہ کیا، مسلمانوں کو اس میں بڑی بڑی مصیبتوں کا سامنا

کرنا پڑا۔ منگولوں نے مرد، عورت، بچے، بوڑھے اور جوان، جو بھی ان کو ملا سب کو انہوں نے قتل کر ڈالا۔ اسی سال ارطغرل کے یہاں ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام عثمان رکھا گیا، اسی کی طرف عثمانی سلطنت منسوب کی جاتی ہے، عثمان ۱۲۹۹ء کو تخت نشیں ہوا اس وقت اس کی عمر ۱۳ سال کی تھی، اس نے دو شادیاں کی پہلی بیوی کا نام رابعہ بالا خاتون تھا، اس کے بطن سے عثمان کو ایک اولاد حاصل ہوئی جس کا نام ''علاؤالدین پاشا'' تھا، دوسری بیوی کا نام مالھون خاتون تھا اس سے بھی ایک اولاد حاصل ہوئی جس کا نام ''اورخان'' تھا۔ عثمان نے ۳۹ سال تک سلطنت کی باغ ڈور کو سنبھالا، اور ۱۳۲۳ء کو اس دار فانی سے کوچ کر گیا۔ اپنی بہتر ۷۲ سالہ زندگی میں عثمان نے اسلام کے لیے بہت سی خدمات انجام دیں۔

(۲) **سلطان اورخان:** عثمان نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹے اورخان کو ۱۳۲۳ء میں اپنا جانشیں مقرر کیا، اس وقت اس کی عمر ۴۲ سال کی تھی۔ سلطنت کی تقویت کے لیے اورخان نے اصلاحی اور معاشرتی امور کی طرف اپنی توجہ کو صرف کیا اور نظام سلطنت کو نئے طریقے پر درست کیا، اور اپنے ۳۳ سال کے دور حکومت میں عثمانی مقبوضات کو بہت زیادہ وسعت دی، اور ۱۳۶۹ء کو دار فانی سے رخصت ہو گئے۔

(۳) **سلطان مراد اوّل:** اورخان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مراد اول ۱۳۶۹ء میں تخت نشیں ہوا، اس وقت اس کی عمر ۴۰ سال کی تھی، اس کے تخت نشینی کے وقت سلطنت بازنطینی کی حالت ابتر تھی، اس کے ایشائی مقبوضات پر ترکوں کا قبضہ تھا، مراد کا زمانہ تاریخ آل عثمان کے عمدہ ترین زمانوں میں سے ہے، اس نے ۳۰ سال تک حکومت کی، اس میں ۲۴ سال میدان جنگ میں گزارے، ہر جنگ میں کامیابی کا تاج اس کے سر پر سجا۔ ایک جنگ میں کامیابی کے بعد وہ لشکر کا معائنہ کر رہا تھا، مسلمان شہدا کی صفوں میں گھوم کر ان کے لیے مغفرت کی دعا کر رہا تھا، اور زخمیوں کے لیے مرہم پٹی کا حکم صادر فرما رہا تھا، اسی صف

میں دشمن کا ایک سپاہی اپنے آپ کو مردہ ظاہر کر کے چھپا ہوا تھا، وہ سلطان مراد کی طرف بڑھا، محافظوں نے اسے پکڑا، لیکن اس نے کہا کہ وہ سلطان کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دے کر مسلمان ہونا چاہتا ہے، وہ سلطان کے پاس آکر اس کی دست بوسی کرتے ہوئے اچانک اپنا زہر آلود خنجر نکال کر اس پر حملہ آور ہوا، جس کے سبب ۱۳۸۹ء کو وہ شہادت کا تاج اپنے سر پر سجا کر اس دنیا کو الوداع کہہ گیا۔

(۴) سلطان بایزید اول: مراد اول کی شہادت کے بعد اس کا بیٹا بایزید نے ۱۳۸۹ء میں سلطنت کی باغ ڈور کو سنبھالا۔ وہ بڑا دلیر اور حوصلہ مند تھا، اس نے کافی فتوحات حاصل کی۔ اس کی حکومت کے بارہ سال مسلسل جنگوں پر مشتمل تھے، وہ ہمیشہ ان میں کامیاب ہوا تھا۔ اس نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا مگر کچھ رکاوٹوں کی وجہ سے شہنشاہ قسطنطین سے ۱۰ سال کے لیے صلح کر لی۔ لیکن اپنی حکومت کے آخری دو سالوں میں تیمور لنگ کے مقابلے میں زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ جس میں بایزید کو قیدی بنا لیا گیا، جس سے اس کے قلب و دماغ پر بہت بڑا اثر ہوا، اور آٹھ مہینے کے بعد ۱۴۰۲ء کو اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

سلطان بایزید کے بعد دولت عثمانیہ کو اندرونی اختلاف کا سامنا کرنا پڑا، بایزید کے بیٹوں کے درمیان تخت و تاج کے لیے گھریلو تنازع ہو گیا یہ خانہ جنگی دس سال تک جاری رہی۔ یعنی ۱۴۰۲ء سے ۱۴۱۳ء تک تعطل رہا۔

(۵) سلطان محمد اول: پھر سلطان محمد اول اپنے والد بایزید کی وفات کے بعد ۱۴۱۳ء سے ۱۴۲۱ء تک فرمانرواں ہوئے۔ عثمانی رعایا سلطان محمد اول کو بہت پسند کرتی تھی، سلطان محمد اول نے داخلی نظام استحکام کی طرف توجہ دی تا کہ مستقبل میں کوئی انتشار برپا نہ ہو، اسی درمیان اسے پیغام اجل آ پہنچا۔

(۶) سلطان مراد ثانی: مراد ثانی ۱۴۲۱ء میں تخت نشیں ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۱۸ سال کی تھی، لیکن اس کم سنی کے باوجود ایک عظیم فرمانروا ثابت ہوا، سلطان مراد ثانی تمام اندرونی بغاوتوں کو ختم کرنے میں کامیاب رہا جس کا سرغنہ اس کا چچا مصطفیٰ تھا، مگر ۱۴۴۴ء میں اپنے بیٹے کی موت کے بعد اپنے بھائی کے بیٹے کو تخت و تاج سپرد کر کے گوشہ نشیں ہو گیا۔ جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے یورپی قومیں دولت عثمانیہ پر حملہ آور ہوئیں۔ سلطان کو حالات سے مطلع کیا گیا تو خلوت نشینی سے نکل کر نصرانیوں کو شکست دی، پھر گوشہ نشینی اختیار کی۔

(۷) سلطان محمد دوم فاتح: مراد ثانی کی وفات کے بعد اس کے صاحبزادے محمد فاتح ۱۴۴۴ء میں تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوئے۔ پھر پانچ سال پھر سے مراد ثانی تخت نشیں رہا۔ اس وقت اس کی عمر ۲۲ سال کی تھی۔ عثمانی سلاطین کے ساتویں سلطان ہوئے، جنھیں فاتح اور ابوالخیرات کے لقب سے شہرت ملی، انہوں نے تیس سال تک سلطنت عثمانیہ کے امور کو انجام دیا اور مسلمانوں کے لیے عزت وجاہ کے باعث ہوئے۔ انہوں نے قسطنطنیہ جیسے ناقابل تسخیر شہر کو فتح کیا، جس کے تعلق سے کہا جاتا ہے کہ اگر پوری دنیا ایک ملک ہوتی تو قسطنطنیہ اس قابل تھا کہ وہ اس ملک کا دارالحکومت ہوتا۔ ۱۴۸۱ء میں آپ کا وصال ہوا، آپ کی عمر ۵۲ سال کی تھی، اور ۳۰ سال سے کچھ زائد عرصہ سلطنت عثمانیہ کی قیادت فرمائی۔

(۸) سلطان بایزید ثانی: سلطان محمد فاتح کی وفات کے بعد سلاطین کا یہ سلسلہ ان کے بیٹے بایزید ثانی تک پہنچا۔ جو ۱۴۸۱ء میں تخت سلطنت کی زینت بنے، انہوں نے خصوصاً دینی کام کی طرف اپنی توجہ کو مرکوز کیا، مساجد و مدارس و مہمان خانے وغیرہ تعمیر کرائے، اسے حرمین شریفین سے کافی لگاؤ تھا۔ ۱۵۱۲ء میں اپنے بیٹے سلیم کے حق میں تخت

وتاج سپرد کر کے دست بردار ہو گئے، اور ۶۷ سال کی عمر میں وصال فرما گئے۔

(۹) سلطان سلیم اول: پھر اس کا بیٹا سلطان سلیم اول ۱۵۱۲ء میں تخت نشیں ہوا۔ ۱۵۲۰ء کو سلطان سلیم اول نے نو سال آٹھ ماہ حکومت کر کے ۵۴ سال کی عمر پا کر داعی اجل کو لبیک کہا۔ وزرا نے ان کے وصال کو مخفی رکھا، ان کے بیٹے سلیمان کے آنے کے بعد اعلان کر کے ''جامع مسجد سلطان محمد فاتح'' میں نماز جنازہ پڑھی۔

(۱۰) سلطان سلیمان اول: اس کے بعد سلیمان قانونی نے ۱۵۲۰ء کو ۲۲ سال کی عمر میں زمام اقتدار کو سنبھالا، ۱۵۶۶ء میں سلطان سلیمان قانونی کی وفات ہوئی، تمام مؤرخین اس بات پر متفق ہیں کہ سلیمان کے بعد دولت عثمانیہ کی شان وشوکت ختم ہوگئی، بلکہ اس کے دور ہی میں زوال کے اسباب نظر آنے لگے، اس کے دور میں جو کمیاں تھیں اس سے سلطنت کا خسارہ ہوا۔

(۱۱) سلطان سلیم ثانی: پھر اس کا بیٹا سلیم ثانی ۱۵۶۶ء میں تخت نشیں ہوا، اس کے حالات تو سلیمان سے بھی زیادہ خراب تھے، وہ اپنے باپ کے مفتوحہ علاقوں کی بھی حفاظت نہ کر سکا، سلطنت عثمانیہ اس دور میں نیست و نابود ہو جاتی مگر اس کے وزیر محمد پاشا صوقللی نے اپنی سیاسی تدبیر سے سلطنت کا رعب ودبدبہ باقی رکھا۔ اور ۱۵۷۴ء میں وفات پائی۔

(۱۲) سلطان مراد ثالث: ان کے بعد ان کا بیٹا سلطان مراد ثالث ۱۵۷۴ء میں تخت نشیں ہوا۔ اس نے تخت نشیں ہوتے ہی سب سے پہلے شراب نوشی کے ممانعت کا حکم صادر کیا، مگر حالات اتنے بگڑ چکے تھے کہ فوجیں بھی شراب نوشی میں ملوث تھیں۔ کچھ دنوں بعد بادشاہ کے چند چاپلوسوں کی وجہ سے صدر اعظم محمد پاشا صوقللی جس کی وجہ اب تک حکومت کا دبدبہ باقی تھا، اسے قتل کر دیا گیا اور حکومت تنزلی کی طرف گامزن ہوگئی۔ ۱۶ جنوری ۱۵۹۵ء کو ۴۹ سال کی عمر میں سلطان مراد ثالث وصال فرما گئے۔

(۱۳) سلطان محمد ثالث: اب سلطان محمد خان ثالث نے ۱۵۹۵ء میں زمام اقتدار کو سنبھالا، اور ۳۸ سال کی عمر میں ۹ سال ۲ ماہ حکومت کر کے تمام شورشوں کو کچل کر ۱۶۰۳ء میں داعی اجل کو لبیک کہا۔

(۱۴) سلطان احمد اول: یہ ۱۶۰۳ء میں تخت نشیں ہوا، اور اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے انھوں نے بھی حکومت کے سارے کام اپنے ہی ہاتھ میں رکھے۔ اور یہ ہر کام اہل علم و معرفت کی قیادت میں کرتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت محبت کرتے تھے، انھیں کے عہد میں غلاف کعبہ مصر کی جگہ استنبول سے جانے لگا۔ ان کی وفات ۱۶۱۷ء میں ہوئی، اور ان کی تدفین ''جامع مسجد سلطان احمد'' کے قریب ہوئی۔

سلطان احمد اول کے بعد حسب ذیل سلاطین تخت نشیں ہوئے:

(۱۵) سلطان مصطفیٰ اول: ان کا پہلا دور حکومت ۱۶۱۷ء سے ۱۶۱۸ء تک ہوا۔ پھر دوسرا دور حکومت ۱۶۲۲ء سے ۱۶۲۳ء تک ہوا۔

(۱۶) سلطان عثمان ثانی: ان کی حکومت ۱۶۱۸ء سے ۱۶۲۲ء تک رہی۔

(۱۷) سلطان مراد چہارم: انھوں نے ۱۶۲۳ء سے ۱۶۴۰ء تک حکومت کی۔

(۱۸) سلطان ابراہیم اول: یہ ۱۶۴۰ء سے ۱۶۴۸ء تک سلطان رہے۔

(۱۹) سلطان محمد چہارم: ان کی حکومت ۱۶۴۸ء سے ۱۶۸۷ء تک قائم رہی۔

(۲۰) سلطان سلیمان ثانی: یہ ۱۶۸۷ء سے ۱۶۹۱ء تک سلطان رہے۔

(۲۱) سلطان احمد ثانی: انھوں نے ۱۶۹۱ء سے ۱۶۹۵ء تک حکومت کی۔

(۲۲) سلطان مصطفیٰ ثانی: ان کی حکومت ۱۶۹۵ء سے ۱۷۰۳ء تک رہی۔

(۲۳) سلطان احمد ثالث: یہ ۱۷۰۳ء سے ۱۷۳۰ء تک سلطان رہے۔

(۲۴) سلطان محمود اول: ان کی حکومت ۱۷۳۰ء سے ۱۷۵۴ء تک رہی۔

(۲۵) **سلطان عثمان ثالث:** یہ ۱۷۵۴ء سے ۱۷۵۷ء تک سلطان رہے۔

(۲۶) **سلطان مصطفیٰ ثالث:** ان کی حکومت ۱۷۵۷ء سے ۱۷۷۴ء تک رہی۔

(۲۷) **سلطان عبدالحمید اول:** یہ ۱۷۷۴ء سے ۱۷۸۹ء تک سلطان رہے۔

(۲۸) **سلطان سلیم ثالث:** انھوں نے ۱۷۸۹ء سے ۱۸۰۷ء تک حکومت کی۔

(۲۹) **سلطان مصطفیٰ رابع:** ان کی حکومت ۱۸۰۷ء سے ۱۸۰۸ء تک رہی۔

(۳۰) **سلطان محمود ثانی:** یہ ۱۸۰۸ء کو تخت نشیں ہوئے، ہر طرف بغاوتوں کی لہر دوڑ رہی تھی، انھیں بغاوتوں میں ایک عظیم بغاوت نے جنم لیا جسے تحریک سلفیہ کہتے ہیں، اور اس کے معاون کو حکومت سعودیہ کہا جاتا ہے۔ اس تحریک کا بانی محمد بن عبدالوہاب نجدی ہے جو شہر نجد (الریاض) کا تھا۔ جس وقت مسلمان چاروں طرف کفار کے نرغے میں تھے، اور مسلمانوں کی عزت و آبرو بچانے کے لیے مجاہدین اسلام مسلسل جنگ وجدال میں تھے، عین اسی وقت شیخ نجد اپنے حلیف محمد بن سعود کے ساتھ مل کر کافروں کے بجائے مسلمانوں سے جنگ آزما تھا۔

اور محمد بن عبدالوہاب صلیبیوں سے ملا ہوا تھا۔ اس کا ثبوت اس سے بھی ملتا ہے کہ ہمفرے نامی ایک صلیبی جاسوس نے اپنے کرتوتوں کو ایک کتابی شکل دی، اس کا نام "ہمفرے کے اعترافات" ہے۔ ہمفرے کہتا ہے: میں نے اسے (محمد بن عبدالوہاب) مغرور، طلب جاہ والا اور علما و مشائخ کی توہین کرنے والا پایا تو میں اس کے قریب ہوا، اور اس کے تکبر کا سہارا لیتے ہوئے اسے بہکانا شروع کیا اور اس کو ایک نیا فرقہ تشکیل دینے کا مشورہ دیا، اور اس سے متاثر ہو کر اس نے ملت اسلامیہ میں کیسے خرافات پھیلائے ان سے سب واقف ہیں۔

(۳۱) **سلطان عبدالمجید اول:** سلطان محمود کے بعد ان کا بیٹا سلطان عبدالمجید نے

۱۸۳۹ء میں اقتدار کو سنبھالا۔ اور ۲ جون ۱۸۶۱ء میں وصال کر گیا۔

(۳۲) سلطان عبدالعزیز: انھوں نے اپنے بھائی کے بعد ۱۸۶۱ء سے ۱۸۷۶ء تک حکومت کی۔

(۳۳) سلطان مراد خامس: پھر سلطان مراد خامس بن عبدالمجید نے ۹۳ دن حکومت کی۔ یعنی ۳۰ مئی ۱۸۷۶ء تا ۳۱ اگست ۱۸۷۶ء۔

(۳۴) سلطان عبدالحمید: انھوں نے ۱۸۷۶ء میں زمام اقتدار کو سنبھالا۔ ان کے تخت نشیں ہونے سے پہلے ہی کئی بیماریاں جنم لے چکی تھیں، کئی لوگ حکومت اور اسلام کے ساتھ سوتیلا سلوک کر رہے تھے، کئی فوجیوں نے بغاوت کر لی تھی، مگر سلطان نے سب کو متحد کرنے کی پوری کوشش کی، اور صوفی سلاسل سے درخواست کی کہ وہ سلطنت عثمانیہ کے اتحاد میں لوگوں کی سرپرستی فرمائیں۔ مگر عثمانی قوم کے چھ پڑھے لکھے نوجوانوں نے خفیہ طور پر ایک تحریک بنائی، اس میں اور لوگ بھی شامل ہوئے، اور اس تحریک کا نام "جمعیۃ الاتحاد والترقی" پڑا۔ اس میں کئی یہودی شامل ہو گئے۔ کئی کوششوں کے بعد اس تحریک نے سلطان عبدالحمید کو معزول کر دیا اور الزام یہ لگایا کہ سلطان خدا کی نافرمانی کر رہا ہے اور دین سے پھر چکا ہے۔ اور لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے کے لیے نعرہ بازی کرتے تھے اور قرآن وحدیث کی بات کرتے تھے۔ نافرمانی کے الزام کی بنیاد پر فتویٰ وصول کیا گیا، اور منگل ۲۷/اپریل ۱۹۰۹ء میں سلطان کے معزولی کا فیصلہ ہوا۔

سلطنت سے معزولی کی ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ یہودیوں نے سلطان سے بیت المقدس کی زمین مانگی تو سلطان نے تمام انعامات کو ٹھکرا کر زمین دینے سے انکار کر دیا۔ جس کا ثبوت خود اس کے اپنے مرشد کو لکھے گئے خط سے ہوتا ہے۔

جب یہ معاملہ پیش آیا تو سلطان نے کوئی حرکت نہ کی اور بغیر خون بہائے سلطنت

چھوڑ دی۔ ابھی سلطنت پوری طرح ختم نہ ہوئی تھی، سلطنت کو ختم کرنے کے لیے لوگوں کے دلوں سے سلطنت کی عظمت کو نکالنا ضروری تھا، اس لیے ان لوگوں نے ایک ایسے شخص کو تیار کیا جو لوگوں کی نظر میں ہیرو ہو، بالآخر ان کی تلاش پوری ہوئی اور مصطفیٰ کمال پاشا جو کہ عثمانیوں کو کئی جنگوں میں فتح دلا چکا تھا، اس کی لوگوں کے سامنے خوب تعریف کی، پھر ۱۳۴۱ھ میں اس نے عنان حکومت سنبھالی اور اس کی سربراہی میں "جمعية الوطنية التركية" کے نام سے جمہوریت کے قیام کا اعلان کیا اور اسے پہلا فرمانروا بنایا، کچھ دنوں تک سلطنت کو باقی رکھنے کا ڈھونگ رچا، مگر خلیفہ کو کوئی اختیار نہ دیا۔ اس درمیان جو سلاطین ہوئے ان کے اسما یہ ہیں۔

(۳۵) **سلطان محمد خامس:** انھوں نے ۱۹۰۹ء سے ۱۹۱۸ء تک حکومت کی۔

(۳۶) **سلطان محمد سادس:** ان کی حکومت ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۲ء تک رہی۔

(۳۷) **سلطان عبدالمجید ثانی:** ان کی حکومت ۱۹۲۲ء سے ۱۹۲۴ء تک رہی۔ مگر ان کو عوام سے چھپا کر رکھا گیا تاکہ لوگ ان کی طرف مائل نہ ہوں۔ اور پھر ۱۹۲۴ء کو مصطفیٰ کمال نے ایک اجلاس کیا اور اس اسمبلی میں اس نے خلافت کے خاتمے کی تجویز رکھی، دوسرے دن بغیر گفت وشنید کے فیصلہ قرار پایا، اور سلطان کو شہر بدر کر دیا گیا، اس پر کسی نے کچھ نہ کہا اور مصطفیٰ کمال پاشا کے ہاتھوں سلطنت عثمانیہ کی روشنی بجھ گئی۔

❁❁❁

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ: حیات اور علمی کارنامے

ولادت و مسکن: اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خان ۱۰ رشوال المکرم ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ رجون ۱۸۵۶ء کو دوشنبہ کے دن ظہر کے وقت اس خاکدان گیتی پر

محلہ جسولی شہر بریلی شریف میں جلوہ افروز ہوئے، آپ کا نام نامی اسم گرامی احمد رضا رکھا گیا۔ شہر بریلی میں آپ کا آبائی مکان اور یہ آپ کے جد امجد (دادا) حضرت مولانا شاہ رضا علی خان صاحب قدس سرہ کی قیام گاہ تھا۔ آپ کے جد امجد قدس سرہ نے عقیقہ کے دن ایک خوش گوار خواب دیکھا جس کی تعبیر یہ تھی کہ یہ فرزند فاضل وعارف ہوگا۔ حضور سیدی اعلیٰ حضرت کے والد ماجد کا نام مولانا نقی علی خان ہے۔ سن صغر ہی میں آپ کا گھرانہ محلہ جسولی سے سوداگران بریلی میں منتقل ہوگیا تھا۔

بچپن اور تعلیم: اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے چار سال کی عمر میں قران شریف ناظرہ مکمل کیا، اور چھ سال کی عمر میں ربیع الاول شریف کے مہینے میں منبر پر بہت بڑے مجمع عام میں تقریر کی، تمام علوم درسیہ اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ سے سیکھے۔ آپ نے کھیل کود کی طرف کبھی توجہ نہیں دی، فطری طور پر عمدہ ذہن کے مالک تھے اور ہمیشہ تحصیل علم میں مشغول رہتے تھے۔ تیرہ سال دس ماہ کی چھوٹی سی عمر میں تمام علوم کی تحصیل سے فارغ ہوگئے۔ اسی دن رضاعت کا ایک مسئلہ لکھ کر اپنے والد ماجد کی خدمت میں پیش کیا، جواب بالکل درست تھا، اس کے بعد آپ کو مسند افتا پر بھی فائز کر دیا گیا، جہاں سے آپ نے پوری عمر مبارک میں بے شمار فتوے لکھے، اور ایک ہزار کے قریب کتابیں تحریر فرمائیں۔

ازدواجی زندگی: حضور سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی شادی آپ کے پھوپھا شیخ تفضّل حسین کے یہاں ہوئی، جس میں زیبائش وآرائش نہ تھی، شریعت مطہرہ کی روشنی میں تمام رسموں کو ادا کیا گیا، بفضلہٖ تعالیٰ آپ کو سات اولادیں عطا کی گئیں جس میں دو شہزادے تھے۔ (۱) حضرت مولانا حامد رضا خان ''ملقب بلقب'' حجۃ الاسلام، (۲) حضرت مولانا شاہ مفتی مصطفیٰ رضا خان ''ملقب بلقب''، مفتی اعظم۔

اور پانچ شہزادیاں تھیں (۱) مصطفائی بیگم، (۲) کنیز حسن بیگم، (۳) کنیز حسنین بیگم، (۴) کنیز حسین بیگم، (۵) مرتضائی بیگم، دونوں شہزادے (حضرت حامد رضا خان حضرت مصطفیٰ رضا خان) اپنے والد ماجد کے سچے وارث وامین تھے انہوں نے اپنی زندگی دین وملت کی خدمات کے لیے وقف کردی۔

بیعت وخلافت: حضور سیدی اعلیٰ حضرت اور آپ کے والد ماجد اور تاج الفحول مولانا عبدالقادر بدایونی کے ہمراہ قصبہ مارہرہ مطہرہ تشریف لے گئے جہاں قادری سلسلے کی ایک عظیم خانقاہ ہے، اس دور میں اس درگاہ کے سجادہ نشیں خاتم الاکابر حضرت سید شاہ آل رسول مارہروی تھے جو حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے شاگرد تھے، اعلیٰ حضرت نے آپ سے بیعت وخلافت کا اعزاز حاصل کیا اور آپ کو پہلی ہی ملاقات میں دیکھ کر مرشد نے فرمایا: آیئے! ہم تو آپ کے کئی دن سے منتظر تھے، پھر حضور سیدی اعلیٰ حضرت کو آپ نے بیعت وخلافت سے سرفراز فرمایا۔

اخلاق وعادات: بڑوں کی تعظیم وتکریم اور چھوٹوں پر شفقت ومہربانی کرنا آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ تمام لوگ چاہے وہ آپ کے اہل سے ہوں یا اس کے علاوہ ہوں، سب آپ کے حسن اخلاق سے متاثر رہتے تھے۔ آپ نے اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا، یہاں تک کہ گھر کے ملازمین وخدام آپ کے حسن سلوک سے متاثر رہتے تھے، جو ایک مرتبہ آپ سے وابستگی کا شرف حاصل کرلیتا پھر پوری زندگی آپ سے جدا ہونا گوارا نہ کرتا۔ غریبوں کے ساتھ ہمدردی اور بچوں کی دلجوئی سے آپ کو مسرت وشادمانی ہوتی تھی، آپ کی حیات طیبہ میں حسن سلوک کے تعلق سے سیکڑوں واقعات رونما ہوئے ہیں۔

فتوی نویسی: حضور سیدی اعلیٰ حضرت نے چودہ سال کی عمر میں فتوی نویسی کا

آغاز کیا جو پوری زندگی جاری وساری رہا۔ آپ کے پاس صرف ہندوستان ہی سے نہیں بلکہ پوری دنیا سے سوالات آتے تھے اور بیک وقت پانچ سو سوالات بھی جمع ہوجاتے تھے۔ ابتدا میں تو سب کے جوابات آپ تنہا دیتے تھے بعد میں آپ کے تلامذہ نے اس سلسلے میں آپ کا تعاون کیا اور بہت سے حضرات امین الفتوی کے منصب دار پر فائز کیے گئے۔ جن کا کام چھوٹے چھوٹے سوالات کا جواب لکھنا اور جو فتاوی اعلیٰ حضرت تحریر فرماتے تھے ان کو فتاوی رضویہ میں نقل کرنا تھا، اور ایسا بھی ہوتا کہ بہت سے سوالات کے جواب اعلیٰ حضرت زبانی لکھوادیا کرتے تھے، یہ کام آپ نے آخری عمر تک جاری رکھا۔

حج وزیارت: آپ نے پہلا حج ۱۲۹۵ھ میں اپنے والدین کریمین کے ساتھ کیا، اس مبارک موقع پر آپ نے شیخ الاسلام حضرت علامہ سید احمد بن زینی دحلان مکی، شیخ عبد الرحمن سراج مکی، اور شیخ حسین بن صالح مکی علیہم الرحمہ سے حدیث پاک کا درس لیا اور سند حدیث، فقہ، اصول، تفسیر اور دیگر علوم سے شرف یاب ہوئے۔ ایک دن آپ نے مغرب کی نماز مقام ابراہیم میں ادا کی۔ نماز کے بعد حسین بن صالح آپ کو اپنے دولت خانے پر لے گئے، کافی دیر تک آپ کی پیشانی کو پکڑ کر فرمایا: "انّی لاَجِدُ نُورَ اللہ فی ھذا الجبین". "بیشک میں اللہ کا نور اس پیشانی میں پاتا ہوں"۔

دوسرا حج جو تاریخی اعتبار سے بہت اہم ہے وہ آپ نے ۱۳۲۴ھ بمطابق ۱۹۰۵ء میں کیا، اس زمانے میں حجاز میں ترکی حکومت تھی۔ جب آپ مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو آپ کے تعلق سے بعض مخالفین نے آپ کے خلاف ماحول بنانے کی کوشش کی، مگر آپ پر اللہ کا فضل وکرم ہوا اور وہاں کے مشائخ نے چند سوال کر کے ایک کتاب لکھوائی جس کا نام "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ" ہے، جو آپ نے صرف آٹھ گھنٹے کے اندر عربی زبان

میں لکھوادی۔ جب یہ کتاب شریف مکہ جو کہ گورنر تھے ان کی بارگاہ میں پڑھی گئی تو دو دن میں سارا رنگ بدل گیا اور مخالفین نے راہ فرار اختیار کرلی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حرمین شریفین میں آپ کو ایسی عزت عطا کی کہ وہاں کے علما و مشائخ خود بیان کرتے تھے کہ پوری دنیا سے علما و مشائخ ہر سال آتے ہیں مگر جو مقام و مرتبہ آپ کے رب نے آپ کو عطا کیا ہے وہ نہ کسی میں دیکھا گیا ہے اور نہ کسی میں سنا گیا ہے۔

وصال: حضور سیدی اعلیٰ حضرت نے شریعت مطہرہ کی پاسداری کا خیال اپنی عمر کے اس مرحلے میں بھی رکھا جس میں آپ کافی کمزور اور ناتواں ہو گئے تھے، یہ سوچ کر کہ آپ رمضان سے کچھ دن پہلے بھوالی کے پہاڑوں پر تشریف لے گئے اور رمضان المبارک کے تمام روزے مکمل فرمانے کے بعد واپس تشریف لائے۔ یہ سلسلہ آپ نے تین سال تک جاری رکھا۔ اور اپنی حیات کا آخری ماہ جو آپ نے مکمل گزارا وہ رمضان المبارک کا مہینہ تھا، اس میں بھی آپ نے تمام روزے رکھے۔ جب آپ بھوالی پہاڑ سے واپس تشریف لائے تو آپ کی طبیعت میں علالت کا سلسلہ جو پہلے سے جاری تھا وہ اور بڑھ گیا۔ جس دن آپ نے اس دار فانی سے کوچ فرمایا اس دن صبح کو آپ کی طبیعت نہایت پر سکون تھی۔ لوگ آپ کی عیادت کے لیے آتے اور آپ کو اچھی حالت میں دیکھ کر خوشی خوشی لوٹ جاتے، مگر وہ لوگ اس بات سے ناواقف تھے کہ حضور آج ہی ہم سے رخصت ہو جائیں گے۔

آپ نے بارہ بجے دن میں جائداد کا وقف نامہ لکھوایا اور اس پر دستخط فرمائے، پھر اس کے بعد سورۃ رعد، سورۃ یٰسین شریف پڑھوائی۔ ۲ بجے دن کے بعد پانی طلب فرمایا، اسے نوش فرما کر کلمہ طیبہ پڑھتے رہے، اسم جلالت کی تکرار فرمائی یہاں تک کہ ۲ بج

کر ۳۸ منٹ پر جمعہ کے دن ۲۵ صفر المظفر ۱۳۴۰ھ کو عین اذان جمعہ میں ادھر "حی علی الفلاح" کی پکار سنی ادھر داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔

آپ کی نماز جنازہ آپ کے بڑے صاحبزادے حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خان نے بریلی کے عیدگاہ میں پڑھائی اور محلہ سوداگران میں آپ کی تدفین ہوئی۔ یہ جگہ اب خانقاہ رضویہ کے نام سے مشہور ہے۔

علمی و دینی کارنامے: آپ نے اپنی ۶۵ سالہ زندگی میں دن ورات پڑھنے پڑھانے اور لکھنے لکھانے کا ہی مشغلہ رکھا۔ آپ نے ستر علوم وفنون پر ایک ہزار کے قریب کتابیں تحریر فرمائیں۔ رب تبارک وتعالیٰ کا آپ پر فضل خاص تھا کہ آپ جس فن میں تحریر فرماتے اس کے امام نظر آتے۔ آپ نے قرآن مقدس کا اردو زبان میں نہایت فصیح وبلیغ ترجمہ فرمایا ہے جس کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے اہل علم نے ایک سو کے قریب کتابیں لکھیں ہیں۔ آپ نے بعض فنون تو اپنے اساتذہ سے حاصل کیے مگر اکثر وہ ہیں جن میں آپ کا کوئی استاذ نہیں ہے، بلکہ وہ محض عطائی ہیں اور ان علوم وفنون میں آپ کو ایسا ملکہ حاصل تھا کہ ماہرین بھی انگشت بدنداں رہ جاتے تھے۔

اعلیٰ حضرت کی ذات میں علوم وفنون کی جامعیت اور آپ کے عشق وعرفان کا یہ کمال ہی ہے کہ آپ کی شخصیت پر اب تک پانچ سو سے زیادہ کتابیں اور ڈیڑھ ہزار سے زیادہ مقالات ومضامین لکھے جاچکے ہیں۔

ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش کی بہت سی یونیورسٹیوں میں آپ کے کارناموں پر ایم، فل، اور پی، ایچ، ڈی، کے مقالات لکھے گئے اور ڈگریاں ایوارڈ ہوئیں۔ ان کے علاوہ یورپ، امریکہ، افریقہ، اور عرب ممالک میں بھی اعلیٰ حضرت پر پی،

ایچ، ڈی، مقالات معرض تحریر میں آئے۔ ان سب کی تفصیل ''امام احمد رضا اور عالمی جامعات'' نامی کتاب میں ملاحظہ کریں جو ڈاکٹر پروفیسر مسعود احمد مجددی کی تالیف ہے۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق اب تک آپ پر پچاس (پی۔ ایچ۔ڈی) مقالات لکھے جا چکے ہیں اور درجنوں (ایم، فل) کے مقالات بھی تحریر ہوئے ہیں، ان میں بعض مطبوعہ اور اکثر غیر مطبوعہ ہیں۔ (رسائل رضویہ مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، وحیات اعلیٰ حضرت)

❁❁❁

کیا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سلطنت عثمانیہ کے خلاف تھے؟

مجدد اعظم اعلی حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز وہ عبقری اور عظیم المرتبت ذات تھی جن کی وسعت علمی نکتہ رسی اور تحقیق و تدقیق سے متاثر ہو کر علمائے حرمین شریفین کہہ اُٹھے:

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

اللہ کے لیے یہ بڑی بات نہیں کہ ساری دنیا ایک شخص میں جمع فرما دے۔

مگر تعصب و عناد ایسی بلا ہے جو انصاف و دیانت کا خون کر دیتی ہے۔ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے فضائل و کمالات پر بھی معاندین و مخالفین نے پردہ ڈالنے کی انتھک سعی کی۔ خاص طور سے وہابیہ، دیابنہ نے تو دشمنی کی حدیں پار کر دیں، اور آپ کے خلاف طرح طرح کے پروپیگنڈے کیے کہ انھوں نے اپنے سوا سب کو کافر کہہ کر فساد بپا کیا۔ وہابیہ کی عصبیت کا ایک شاخسانہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کو سلطنت عثمانیہ کا مخالف قرار دے کر آپ کے خلاف مسلمانوں خصوصاً عرب دنیا کے ذہن خراب

کرنے کی ناپاک کوشش کی۔

چنانچہ تاج العلما مفتی محمد عمر نعیمی رقم طراز ہیں:

"کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ دین اسلام کا حامی اور شریعت کا پاسدار (حضرت احمد رضا) کو سلطنت اسلامیہ اور مقاماتِ مقدسہ کا مخالف سمجھا جائے اور وہ وہابیہ جن کے نزدیک بقیہ دنیا مشرک ہے، قبے بنانا ناجائز اور ڈھانا جائز ٹھہرا، وہ اس کے حامی و مددگار سمجھے جارہے ہیں"۔

(سلطنت عثمانیہ کے تحفظ میں اعلیٰ حضرت کا کردار، ص ر ۱۴، مطبوعہ: رشد الایمان فاؤنڈیشن)

آیئے! مخالفین کے پروپیگنڈے کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ان کے جھوٹ کا پردہ فاش کرتے ہیں، جو بھی انصاف پسند، فرقہ وارانہ عصبیت سے اوپر اٹھ کر ان سطور کو دیانت کے ساتھ پڑھے گا، وہ اس حقیقت کو پالے گا کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ سلطنت عثمانیہ کے مخالف نہ تھے۔

❁❁❁

سلطنت عثمانیہ خلافت یا سلطنت

مخالفین رضا نے آپ کو بدنام کرنے اور سلطنت عثمانیہ کا مخالف ٹھہرانے کے لیے پہلا شگوفہ یہ چھوڑا کہ امام احمد رضا، سلاطین عثمانیہ کی سلطنت کو خلافت نہیں مانتے۔ کیوں کہ انھیں خلافت عثمانیہ سے اختلاف ہے۔

جب کہ بات یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے شرائط خلافت کے پیش نظر سلطنت عثمانیہ کی خلافت کے خلافت اسلامیہ ہونے کا انکار کیا۔ لہٰذا یہ اختلاف عثمانی دور

حکومت پر خلافت اور سلطنت کے اطلاق سے متعلق ہے کہ شرع کے اعتبار سے سلطنت عثمانیہ اسلامی خلافت تھی یا نہیں؟ مگر دیوبندیوں نے اسے خلافت اسلامیہ صرف اس لیے قرار دیا کہ علمائے اہل سنت شرع کی رو سے اس کی مخالفت کریں گے، پھر ہمیں یہ کہنے کا موقع میسر آئے گا کہ دیکھو! امام احمد رضا خلافت عثمانیہ کے مخالف ہیں۔ حالاں کہ اس کا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سلطنت کے خلاف تھے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ سلطنت عثمانیہ کی حمایت یا امداد میں کسی سے پیچھے نہ تھے جیسا کہ عنقریب اس کے شواہد آتے ہیں۔

آیئے! پہلے شرائط خلافت کا مطالعہ کریں تا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے موقف کی حقانیت کو سمجھا جا سکے۔

❁❁❁

خلافت کے شرائط

علامہ ابوالحسن علی ماوردی نے خلافت کی شرطیں ذکر کرتے ہوئے ایک مستقل فصل لکھی اور اس کا نام "الشروط التی ینبغی توافرها فی الخلیفة" رکھا فرماتے ہیں:

"واما اهل الامامة فالشروط المعتبرة فيهم سبعة.

احدها: العدالة على شروطها الجامعة، والثانی: العلم المؤدی الى الاجتهاد فی النوازل والاحكام، والثالث: سلامة الحواس من السمع والبصر واللسان ليصح معها مباشرة مايدرك بها، والرابع: سلامة الاعضاء من نقص

يمنع عن استيفاء الحركة وسرعة النهوض، والخامس: الرأى المفضى الى سياسة الرعية وتدبير المصالح، والسادس: الشجاعة والنجدة المؤدية الى حماية البيضة وجهاد العدو، والسابع: النسب وهو ان يكون من قريش لورود النص فيه وانعقاد اجماع عليه".

(الاحکام السلطانیۃ، ص ۱۹، مطبوعۃ: دار الحدیث القاہرۃ)

امامت کبریٰ کی سات شرطیں ہیں: (۱) عدالت اپنی تمام شرائط کے ساتھ، (۲) علم ایسا ہو کہ پیش آمدہ مسائل کے احکام بطریق اجتہاد نکال سکے، (۳) حواس یعنی سماعت و بصارت اور گویائی کا سلامت ہونا تاکہ ان کے ذریعے حاصل کئے جانے والے امور کا درست ادراک ہو سکے، (۴) اعضاء کا ایسے نقص سے محفوظ ہونا جو حرکت کرنے اور افعال کی انجام دہی سے مانع ہو، (۵) ایسی عقل (قوت فیصلہ) ہو جو عوام کی رہنمائی اور ان کے مصالح کی تدبیر کر سکے، (۶) ایسی بہادری و شجاعت جس کے ذریعے ملت بیضاء کی حفاظت اور دشمن سے جہاد کر سکے، (۷) نسب اور وہ یہ کہ وہ (امام) قریش سے ہو، کیوں کہ اس کے بارے میں نص وارد ہوئی ہے اور اس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے۔

علامہ فضل رسول بدایونی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"يشترط بعد الاسلام الذكورة، والورع، والعلم، والقدرة على القيام بامور الامامة، ونسب قريش خلافا لكثير من المعتزلة، ولا يشترط كونه هاشميا ولا معصوما لان العصمة من خصائص الانبياء خلافا للروافض".

(المعتقد المنتقد ص ۱۹۱، مطبوعہ: المجمع الاسلامی)

ترجمہ: مسلمان ہونے کے ساتھ امام کا مرد ہونا، پرہیز گار ہونا، علم والا ہونا، امور امامت کی ادائیگی پر قدرت، اور نسبا قریشی ہونا شرط ہے اس میں بہت سے معتزلہ کا اختلاف ہے اور امام کا ہاشمی ہونا شرط نہیں۔ اور نہ معصوم ہونا شرط ہے، اس لیے کہ عصمت انبیا علیہم الصلاۃ والسلام کی خصوصیات سے ہے۔ اس میں روافض کا اختلاف ہے۔

❁❁❁

امام احمد رضا اور شرائطِ خلافت

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ خلافت کی شرطوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

"اس کے لیے سات شرطیں لازم کہ ایک بھی کم ہو تو خلیفہ نہیں متغلب ہے۔ اسلام، عقل، بلوغ، حریت، ذکورت، قدرت، قرشیت"۔

(فتاوی رضویہ، ج/ ۱۴، ص/ ۱۰۷، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

ان ساتوں شرطوں میں جو سب سے اہم شرط ہے وہ قرشیت ہے کیوں کہ احادیث میں اسی کی تاکید آئی ہے جو ہم آگے ثابت کریں گے تو جب قرشیت کی شرط مفقود ہوگی تو خلافت بھی نہیں پائی جائے گی اور وہ شخص خلیفہ ہرگز نہیں ہوگا۔ اسی پر اہل سنت کا اجماع ہے۔

ایک اور مقام پر قرشیت کی شرط کے بارے میں آپ فرماتے ہیں:

اہل سنت کے مذہب میں خلافت شرعیہ کے لیے ضرور قرشیت شرط ہے۔ اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں ہیں۔ اسی پر صحابہ کا اجماع، تابعین کا اجماع، اہل سنت کا اجماع ہے، اس میں مخالف نہیں مگر خارجی یا کچھ معتزلی۔ کتب

عقائد، کتب حدیث وکتب فقہ اس سے مالا مال ہیں۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ر ۱۴، ص ر ۱۷۴، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

اور فرماتے ہیں:

''بادشاہ غیر شرعی کو سلطان، امام، امیر، والی، ملک کہیں گے، مگر شرعا خلیفہ یا امیر المومنین کہ یہ بھی عرفا اسی کا مترادف ہے، ہر بادشاہ قرشی کو بھی نہیں کہہ سکتے، سوا اس کے جو ساتوں شروط خلافت اسلام، عقل، بلوغ، حریت، ذکورت، قدرت، قرشیت سب کا جامع ہو کر تمام مسلمانوں کا فرمان فرمائے اعظم ہو گا''۔

(فتاویٰ رضویہ ج ر ۱۴، ص ر ۱۷۵، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا)

ایک جگہ اور آپ تحریر فرماتے ہیں:

''اور امامت کبریٰ میں تو شرع مطہر نے اس درجہ کا لحاظ فرمایا ہے کہ اسے صرف قریش کے ساتھ مخصوص فرمادیا، غیر قریش اگر چہ عالم اجل ہو، امام وخلیفہ نہیں ہوسکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''الائمة من قریش'' رواہ احمد وابن ابی شیبة، والنسائی، وابن جریر والحاکم، والبیھقی، والضیاء فی ''المختارة'' عن انس، ورواہ الطبرانی فی ''الکبیر'' عن ابی ذر وابو بکر بن ابی شیبه، ونعیم بن حماد، وابن السنی فی ''کتاب الاخوة'' والبیھقی عن امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالی وجھه. تمام خلفا قریش سے ہوں گے''۔

(عقائد وکلام، خلافت وامارت، ص ر ۵۶ ۳، مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی)

ایک مرتبہ حضور اعلیٰ حضرت سے مولوی احمد مختار نے سوال کیا کہ شرعی امامت کبریٰ (خلافت) کے لیے قرشی ہونا شرعاً ضروری ہے کہ بے اس کے شرعی امامت کبریٰ نہ پائی جائے گی۔ اگر چہ عرفی ہو، یا یہ کہ کوئی استحسانی شرط ہے؟

''آپ نے ارشاد فرمایا: یہ مذہبی مسئلہ ہے، اس میں ہمارا اور روافض وخوارج کا خلاف ہے۔ خوارج کچھ تخصیص نہیں کرتے اور روافض نے اس قدر تنگی کی کہ صرف ہاشمیوں سے خاص کر دی، اور یہ بھی مولیٰ علی کی خاطر۔ ورنہ بنی فاطمہ کی تخصیص کرتے۔ اہل سنت صراط مستقیم وطریق وسط پر ہیں ہماری تمام کتب عقائد میں تصریح ہے کہ اہل سنت کے نزدیک امامت کبریٰ کے لیے ذکورت وحریت وقرشیت لازم ہے اور تصریح فرماتے ہیں کہ اس کا اشتراط قطعی یقینی اجماعی ہے''۔

(الملفوظ اول، ص ر ۱۹۰، مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی)

ان تمام بحث کا حاصل یہی ہے جو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے فتاویٰ رضویہ میں ان الفاظ میں پرو دیا ہے:

''اہل سنت کے مذہب میں خلافت شرعیہ کے لیے ضرور قرشیت شرط ہے اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متواتر حدیثیں ہیں اسی پر صحابہ کا اجماع، تابعین کا اجماع، اہل سنت کا اجماع ہے۔ اس میں مخالف نہیں مگر خارجی یا کچھ معتزلی کتب عقائد وکتب حدیث وکتب فقہ اس سے مالا مال ہیں، بادشاہ غیر قرشی کو سلطان، امام، امیر، والی، ملک کہیں گے، مگر شرعاً خلیفہ یا امیر المومنین کہ یہ بھی عرفاً اسی کا مترادف ہے،

ہر بادشاہ قرشی کو بھی نہیں کہہ سکتے سوا اس کے جو ساتوں شروط خلافت: اسلام، عقل، بلوغ، حریت، ذکورت، قدرت، قرشیت سب کا جامع ہو کر تمام مسلمانوں کا فرمان فرمائے اعظم ہو۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ۱۴/ ص ۱۷۴۔۱۷۵، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

خلیفہ ہونے کے لیے جو سات شرطیں ذکر ہوئیں۔ اسلام، عقل، بلوغ، حریت، ذکورت، قدرت، قریشیت، ان میں سب سے اہم شرط قرشیت ہے، جس کی تاکید جگہ جگہ آئی ہے۔ وہ ہر ایک میں نہیں پائی جاتی۔ ترکی سلاطین ہوں یا مغل یا اور کوئی تمام لوگوں میں شروع کی چھ شرطیں تو پائی جاتی ہیں مگر قرشیت کی شرط مفقود ہوتی ہے اس لیے اہل سنت کا موقف یہی ہے کہ سلطنت عثمانیہ خلافت نہیں۔

اصل میں دولت عثمانیہ بھی سلطنت ہی تھی اور لوگ اس کو سلطنت ہی سمجھتے تھے مگر سلطان عبدالحمید کے سلطان ہونے کے بعد کئی مخالفتوں نے جنم لیا اور دولت عثمانیہ کو ختم کرنے میں کوشاں ہو گئے، اس وقت ہندوستان میں مسٹر ابوالکلام نے ایک تحریک چلائی جو تحریک خلافت کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں انھوں نے سلطنت عثمانیہ کو خلافت کہہ ڈالا، اور اہل سنت کے اجماعی عقیدے کے خلاف محاذ آرائی کی حالانکہ اس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ کیوں کہ جو بھی اسلامی حکومت مصیبت میں ہو اس کی مدد ہر مسلمان پر فرض ہے۔ تو اگر صرف لوگوں سے یہ کہا جاتا ہے کہ ایک اسلامی حکومت جو مسلمانوں کی خیر خواہ بھی ہے اور اس کی خیر خواہی کو بیان کر کے لوگوں سے اپیل کی جاتی تو لوگ ضرور مدد کے لیے آتے۔ پھر اس میں ایسی شرط کو ہٹا دینا جس کے متعلق حدیثیں موجود ہیں۔ کہاں کا انصاف ہے۔

واضح ہوا کہ خلیفہ کے لیے قریشی ہونا شرط ہے اور سلطنت عثمانیہ کے سلاطین میں

قرشیت کی شرط مفقود ہے جو کہ سب سے اہم شرط ہے جس پر تمام محدثین اور علمائے عرب وعجم کا اجماع ہے اور خود کئی حدیثیں بھی اس پر وارد ہیں۔ اسی لیے اعلیٰ حضرت نے سلطنت عثمانیہ کو سلطنت مانا نہ کہ خلافت۔

ان شاء اللہ! آئندہ اوراق میں احادیث اور اقوال علما کی روشنی میں یہ بات واضح ہوجائے گی کہ یہ امام احمد رضا کا خودساختہ مسئلہ نہیں بلکہ چودہ سو سال سے مسلمہ موقف ہے۔

❁❁❁

شرط قرشیت اور احادیث مبارکہ

چونکہ عثمانی سلاطین میں شرط قرشیت مفقود ہے۔ جس کی وجہ سے وہ سلاطین اسلام ہیں نہ کہ خلفاے مسلمین۔ لہذا پہلے اس شرط قرشیت کے بارے میں احادیث کریمہ پیش کی جاتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

(۱) "لا یزال ھذا الامر فی قریش ما بقی منھم اثنان".

(بخاری شریف، کتاب المناقب، باب مناقب قریش، الحدیث/۳۵۰۱، ص/۴۴۰، مطبوعہ: دارالکوثر، قاھرہ، مصر)

خلافت ہمیشہ قریش کے لیے ہے جب تک دنیا میں دو آدمی بھی رہیں۔

(۲) " عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "الملک فی قریش والقضاء فی الانصار والاذان فی الحبشۃ والامانۃ فی الازد یعنی الیمن".

(ترمذی، ابواب المناقب، باب فی فضل الیمن، الحدیث/۳۹۳۹، ص/۸۸۱، مطبوعہ: دارالکتب العلمیۃ، بیروت)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا: حکومت قریش میں، اور قضا انصار میں اور اذان حبشہ میں اور امانت ازد یعنی یمن میں ہے۔

مسند امام احمد میں ایک جگہ "الملك فى قريش" کی جگہ "الخلافة فى قريش" مذکور ہے۔ (مسند امام احمد، ج/۲۹، الحدیث/ ۱۷۶۵۴، مطبوعہ: موسسۃ الرسالۃ)

(۳) "حدثنى بكير بن وهب الجزرى قال قال لى انس بن مالك احدثك حديثا ما احدثه كل احد ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قام على باب البيت ونحن فيه فقال "الائمة من قريش ان لهم عليكم حقا، ولكم عليهم حقا مثل ذلك ما ان استرحموا فرحموا، وان عاهدوا وفوا، وان حكموا عدلوا فمن لم يفعل ذلك منهم فعليه لعنة الله والملائكة والناس اجمعين".

(مسند امام احمد ج/۱۹، الحدیث/۱۲۳۰۷، مطبوعہ: موسسۃ الرسالۃ)

حضرت بکیر بن وہب جزری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا کہ میں تم سے ایسی حدیث بیان کرتا ہوں جو کسی نے بیان نہیں کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے دروازے پر کھڑے تھے، اور ہم اندر تھے تو آپ نے فرمایا کہ خلیفہ قریش سے ہوں گے۔ بے شک تم پر ان کا حق ہے اسی طرح ان پر تمھارا حق ہے۔ اگر ان سے رحم طلب کیا جائے تو وہ رحم کریں، اگر وعدہ کریں تو وفا کریں، اگر فیصلہ کریں تو انصاف کریں، تو ان میں سے جس نے ایسا نہیں کیا اس پر اللہ ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔

حضرت وکیع کے واسطہ سے حضرت انس ہی سے ایک حدیث اور ہے اس میں "ولهم عليكم حق، ولكم مثل ذلك" کے الفاظ ہیں۔

(مسند امام احمد، ج/ ۲۰، الحدیث/ ۱۲۹۰۰، مطبوعہ: موسسۃ الرسالۃ)

پھر یہی حدیث حضرت سلیمان بن داؤد کے واسطہ سے حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے لیکن اس میں "لهم عليكم حقا ولكم عليهم حقا" کے الفاظ نہیں ہیں۔ (مسند امام احمد، ج/ ۳۳، رقم الحدیث/ ۱۹۷۷۷، مطبوعہ: موسسۃ الرسالۃ)

(۴) "عن ابی موسی قال: قام رسول الله صلی الله علیه وسلم علی باب بیت فیه نفر من قریش فقال: واخذ بعضادتی الباب ثم قال: هل فی البیت الا قرشی؟ قال: فقیل یا رسول الله صلی الله علیه وسلم غیر فلان ابن اختنا، فقال: ابن اخت القوم منهم. قال: ثم قال: ان هذ الامر فی قریش ما داموا، اذا استرحموا رحموا، واذا حکموا عدلوا، واذا قسموا اقسطوا، فمن لم یفعل ذلک منهم فعلیه لعنة الله والملائکة والناس اجمعین، لایقبل منه صرف ولا عدل".

(مسند امام احمد، ج/ ۳۲، رقم الحدیث/ ۱۹۵۴۱، مطبوعہ: موسسۃ الرسالۃ)

حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرمایا: نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم ایک گھر کے دروازے پر کھڑے تھے جس میں قریش کی ایک جماعت تھی، آپ نے دروازے کے کنارے کھڑے ہو کر فرمایا: کیا گھر میں قرشی کے علاوہ کوئی ہے؟ کہا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے فلاں بھانجے کے علاوہ کوئی نہیں، تو آپ نے

فرمایا: قوم کی بہن کا لڑکا انہیں میں سے ہوتا ہے پھر فرمایا: یہ معاملہ (خلافت) قریش میں ہے جب تک وہ رہیں گے، جب ان سے رحم طلب کہا جائے وہ رحم کریں، اور جب فیصلہ کریں تو انصاف کریں، جب بانٹیں تو انصاف کے ساتھ، تو جس نے ایسا نہیں کیا اس پر اللہ اور ملائکہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہے، اس کا نہ نفل قبول ہوگا نہ فرض۔

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے "الامراء من قریش" کے نام سے ایک باب باندھا ہے۔ اس کی شرح میں حضرت شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس کی شاہد روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ "الا ان الامراء من قریش ما اقاموا ثلاثا" سنو! امراء قریش سے ہوں گے جب تک وہ درست رہیں اس کو تین مرتبہ فرمایا۔

پھر طبرانی اور طیالسی اور بزار نے اور خود امام بخاری نے تاریخ میں بطریق سعد بن ابراہیم حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس لفظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔ "الائمة من قریش ما اذا حکموا فعدلوا" ائمہ (خلفا) قریش سے ہوں گے جب تک فیصلہ میں انصاف کریں۔

پھر امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الملك فی قریش" بادشاہت قریش میں ہے۔

نیز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الائمة من قریش" اور امام بخاری ہی حضرت امیر معاویہ سے بھی روایت کرتے ہیں "ان هذا الامر فی قریش" بے شک یہ چیز (خلافت) قریش میں رہے گی۔

"الائمة من قریش" کے حوالے دینے کے بعد حضور شارح بخاری فرماتے ہیں:

''خلاصہ یہ نکلا کہ یہ حدیث "الامراء من قریش یا الائمة من قریش" اور اس کے ہم معنی حدیث مندرجہ ذیل صحابۂ کرام سے مروی ہے۔ حضرت ابوبکر، حضرت علی، حضرت انس، حضرت ابوہریرہ، حضرت ابوبرزہ اسلمی، حضرت معاویہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ یہ حدیث معنی بلاشبہ مشہور ہے۔ اسی حدیث کی روشنی میں اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ خلیفہ ہونے کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ قریشی ہو''۔ (نزھۃ القاری، ج؍۹، ص؍۲۴۴، مطبوعہ: دائرۃ البرکات گھوسی)

❖❖❖

شرط قرشیت اور کلام علمائے کرام

اوپر آپ نے احادیث کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کیا جو شرط قرشیت کا واضح ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ اب ذیل میں خلیفہ کے لیے قرشیت کی شرط کے بارے میں اسلاف کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کا کلام ملاحظہ فرمائیں:

(۱) امام اجل ابوزکریا نووی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"بین صلی الله علیه وسلم ان هذا الحکم مستمر الی أخر الدنیا مابقی من الناس اثنان وقد ظهر ماقاله صلی الله علیه وسلم فمن زمنه صلی الله علیه وسلم الی الآن الخلافة فی قریش من غیر مزاحمة لهم فیها وتبقی کذلك مابقی اثنان

کما قاله صلى الله عليه وسلم".

(صحیح مسلم بشرح النووی، ج/۱۲، ص/۲۰۰، ۲۰۱، مطبوعہ: المطبعۃ المصریۃ بالازہر)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر فرمادیا کہ یہ حکم ختم دنیا تک ہے، جب تک دو لوگ بھی رہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ظاہر ہو گیا کہ جب سے آج تک بلا مزاحمت خلافت قریش میں ہے، اور اسی طرح باقی رہے گی جب تک دو لوگ بھی باقی رہیں جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ایک جگہ اور امام نووی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"هذه الاحاديث واشباهها دليل ظاهر ان الخلافة مختصة بقريش لايجوز عقدها لاحد من غيرهم وعلى هذا انعقد الاجماع فى زمن الصحابة وكذلك بعدهم ومن خالف فيه من اهل البدع او اعرض بخلاف من غيرهم فهو محجوج باجماع الصحابة والتابعين فمن بعدهم بالاحاديث الصحيحة".

(صحیح مسلم بشرح النووی، ص/۱۱۹، مطبوعہ: مجلس برکات، الجامعۃ الاشرفیۃ)

یہ حدیثیں اور ان کے مثل اور احادیث روشن دلیل ہے کہ خلافت قریش کے ساتھ خاص ہے، ان کے سوا کسی کو خلیفہ بنانا جائز نہیں، اسی پر زمانۂ صحابہ میں، یونہی ان کے بعد اجماع منعقد ہوا۔ تو جن بدمذہبوں نے اس میں اختلاف کیا یا جس نے اور کسی کے خلاف کا اشارہ کیا اس کا قول صحابہ و تابعین وعلمائے مابعد کے اجماع اور صحیح حدیثوں سے مردود ہے۔

(۲) امام قسطلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"المراد به انتفاء ان يكون الامر فى غير قريش وهذا

الحكم مستمر الى يوم القيامة مابقى من الناس اثنان وقد ظهر ماقاله رسول الله صلى الله عليه وسلم فمن زمنه الى الآن لم تزل الخلافة فى قريش من غير مزاحمة لهم على ذلك". (ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری، ج/۱۰، ص/۱۷۷)

اس سے مراد غیر قریشی کے امیر ہونے کی نفی ہے اور یہ حکم قیامت تک باقی ہے، جب تک دو لوگ بھی رہیں۔ اور نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کا ارشاد ظاہر ہو گیا کہ جب سے آج تک بلا مزاحمت خلافت قریش میں ہے۔

(۳) امام بدر محمود عینی حنفی رضی اللہ عنہ امام قرطبی رضی اللہ عنہ کا قول ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"هذا الحديث كناية عن المشروعية، اى لا تنعقد الامامة الكبرى الا لقرشى مهما وجد منهم احد".

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری، ج/۲۴، ص/۳۳۳، مطبوعہ: دار الکتب العلمیۃ)

اس حدیث میں حکم شرعی کا بیان ہے یعنی امامت کبریٰ قریش ہی میں منعقد ہو گی جب تک ان میں سے کوئی ایک بھی پایا جائے۔

(۴) حافظ علامہ احمد بن علی بن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہ نتیجتاً فرماتے ہیں:

"فيصير كانه قال: لا امر الا فى قريش".

تو گویا وہ ایسے ہی ہو گیا کہ امر (خلافت) قریش ہی میں ہے۔

پھر آگے فرماتے ہیں:

"وان كان بلفظ الخبر فهو بمعنى الامر كانه قال: ائتموا

بقریش خاصّۃ".

(فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج/۱۶، ص/۶۱۹، مطبوعہ: دار طیبۃ)

اگرچہ یہ جملہ خبریہ ہے لیکن امر کے معنی میں ہے، گویا آپ نے ارشاد فرمایا کہ امام بناؤ خصوصا قریش کو۔

(۵) علامہ ابن حجر عسقلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"یجوز ان یکون ملک یغلب علی الناس بغیر ان یکون خلیفۃ وانما انکر معویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خشیۃ ان یظن احد ان الخلافۃ عندھم کذلک اذ لم ینقل عن احد منھم انکر علیہ". (فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج/۱۶، ص/۶۱۴، مطبوعہ: دار طیبۃ)

جب حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ عنقریب ایک بادشاہ قبیلہ قحطان سے ہوگا تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس پر سخت انکار کیا اور خطبہ پڑھا، اس میں فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ خلافت قریش میں ہے۔

اس کی وضاحت میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: یہ انکار اس بنا پر نہ تھا کہ کوئی غیر قریشی بادشاہ بھی نہیں ہوسکتا یہ تو جائز ہے کہ کوئی بادشاہ لوگوں پر تغلب کرے اور خلیفہ نہ ہو بلکہ انکار کی وجہ یہ تھی کہ کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ غیر قرشی خلیفہ ہوسکتا ہے لہذا حضرت امیر معاویہ نے خطبہ پڑھا کہ کوئی غیر قرشی خلیفہ نہیں ہوسکتا اور اس پر کسی صحابی و تابعی نے انکار نہ کیا تو معلوم ہوا کہ ان سب کا یہی مذہب ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، ج/۱۴، ص/۱۹۶، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

(۶) امام نووی رضی اللہ عنہ حضرت قاضی عیاض علیہ الرحمۃ کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اشتراط کونه قرشیا هو مذهب العلماء کافة، وقد احتج به ابو بکر وعمر علی الانصار یوم السقیفة فلم ینکره احد، وقد عدها العلماء فی مسائل الاجماع ولم ینقل عن احد من السلف فیها قول ولا فعل یخالف ماذکرنا وکذلك من بعدهم فی جمیع الاعصار ولااعتداد بقول النظام ومن وافقه من الخوارج واهل البدع انه یجوز کونه من غیر قریش لما هو علیه من مخالفة اجماع المسلمین".

(فتاویٰ رضویہ، ج ر ۱۴، ص ر ۱۹۶، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

خلیفہ میں قریشی ہونے کی شرط جمیع علما کا مذہب ہے، اور اسی سے صدیق اکبر وفاروق اعظم نے روز سقیفہ انصار پر حجت قائم فرمائی، اور صحابہ میں کسی نے اس کا انکار نہ کیا۔ اور علما نے اسے مسائل اجماع میں گنا، سلف صالحین اور بعد کے زمانے کے علما میں سے کسی عالم سے کوئی قول یا فعل اس کے خلاف منقول نہ ہوا۔ اور وہ نظام معتزلی اور اس کے ہمنوا خوارج اور بدمذہبوں کے قول کہ غیر قرشی بھی خلیفہ ہوسکتا ہے اس کا کچھ اعتبار نہیں اس لیے کہ یہ اجماع المسلمین کے خلاف ہے۔

(۷) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"گفت آں حضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہمیشہ می باشد امر خلافت در قریش یعنی می باید کہ در ایشاں باشد وجائز نیست شرعا عقد خلافت مر غیر

ایشاں را وبریں منعقد شد اجماع در زمن صحابہ وبایں حجت کردند مہاجراں بر انصار"۔ (اشعۃ اللمعات، ج ۴، ص ۳۴۱)

حضور علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: خلافت ہمیشہ قریش میں ہوگی یعنی انہی میں ہونا چاہئے، اور شرعا ان کے غیر میں خلافت کا انعقاد جائز نہیں۔ صحابہ کے زمانہ میں اس پر اجماع ہو چکا ہے اور اسی حدیث کو مہاجرین نے انصار پر بطور حجت پیش کیا۔

(۸) امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب تاریخ الخلفاء کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

"لم اورد احدا من الخلفاء العبيديين لان امامتهم غير صحيحة لانهم غير قريش".

(تاریخ الخلفاء، مقدمۃ الکتاب، ص ۸، مطبوعہ: دار ابن حزم)

میں نے اس کتاب میں خلفاے عبیدیہ سے کسی کا ذکر نہ کیا اس لیے کہ ان کی خلافت باطل ہے کہ وہ قرشی نہیں۔

(۹) حضرت امام عمر بن احمد نسفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"و يكون من قريش فلا يجوز من غيرهم".

(شرح العقائد النسفیہ، ص ۱۱۲، مطبوعۃ: رضا اکیڈمی، ممبئی)

خلیفہ قریش سے ہو غیر قریشی جائز نہیں۔

اس کی شرح میں علامہ سعد الدین تفتازانی علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

"يشترط ان يكون الامام قريشيا لقوله عليه السلام "الائمة من قريش" وهذا وان كان خبرا واحدا لكن لما رواه ابو بكر محتجًّا به على الانصار ولم ينكره احد فصار

مجمعا علیہ لم یخالف فیہ الا الخوارج و بعض المعتزلۃ".

(شرح العقائد النسفیۃ، ص ر ۱۱۲، مطبوعہ: رضا اکیڈمی، ممبئی)

شرط یہ ہے کہ خلیفہ قرشی ہو بدلیل قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم "الائمۃ من قریش" اور یہ حدیث اگرچہ خبر واحد ہے لیکن جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انصار پر حجت میں اسے پیش کیا اور صحابہ کرام میں کسی نے اس پر انکار نہ کیا تو اس پر اجماع ہو گیا۔ قریشیت کی شرط میں کسی نے اختلاف نہ کیا مگر خارجیوں اور بعض معتزلیوں نے۔

(۱۰) حضرت امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"شرط الامامۃ نسب قریش، لقولہ صلی اللہ علیہ وسلم (الائمۃ من قریش)".

(احیاء العلوم، الفصل الثالث، ج ر ۱، ص ر ۲۲۳، مطبوعۃ: دار المنہاج، سن اشاعت ۲۰۱۱)

خلافت کی شرط نسب قریش ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خلفا قریش سے ہیں۔

(۱۱) امام محقق علی الاطلاق کمال الدین بن الہمام علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"شرط الامام نسب قریش خلافا لکثیر من المعتزلۃ".

(کتاب المسایرۃ فی علم الکلام، ص ر ۱۶۹، مطبوعۃ: المطبعۃ الجمہوریۃ التجاریۃ بمصر)

خلیفہ کی شرط نسب قریشی ہے اس میں بہت معتزلیوں کا اختلاف ہے۔

(۱۲) تلمیذ امام ابن الہمام علامہ ابن ابی شریف شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"لنا قولہ صلی اللہ علیہ وسلم "الائمۃ من قریش" وقولہ صلی اللہ علیہ وسلم الناس تبع لقریش اخرجہ الشیخان وفی البخاری من حدیث معاویۃ رضی اللہ عنہ

ان هذا الامر فی قریش".

(کتاب المسامرۃ فی شرح المسایرۃ، الاصل التاسع، ج ر ۲، ص ر ۱۶۴، مطبوعہ: المکتبۃ الازھریہ للتراث)

ہم اہلسنت کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خلفا قریش سے ہیں، نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ سب آدمی قریش کے تابع ہیں، اسے بخاری ومسلم نے روایت کیا۔ نیز بخاری میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک خلافت قریش میں ہے۔

(۱۳) حضرت امام بیضاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"التاسعة كونه قرشيا خلافا للخوارج وجمع من المعتزلة لنا قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "الائمة من قريش" واللام فی الجمع حيث لا عهد للعموم".

(طوالع الانوار، الباب الثالث، المبحث الثانی، ص ر ۲۳۶، ۲۳۷، مطبوعۃ: المکتبۃ الازھریہ للتراث)

خلافت کی نویں شرط قرشی ہونا ہے اس میں خارجیوں اور ایک گروہِ معتزلہ کو اختلاف ہے کہ وہ خلیفہ کا قرشی ہونا ضروری نہیں جانتے، ہماری دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "خلفا قریش سے ہوں" جہاں عہد نہ ہو جمع پر لام استغراق کے لیے ہوتا ہے یعنی تمام خلفا قریش ہی سے ہوں۔

(۱۶) حضرت میر سید شریف جرجانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"صار دليلا قاطعا يفيد اليقين باشتراط القرشية".

(شرح المواقف، المرصد الربع، المقصد الثانی، ج ر ۸، ص ر ۳۸۱، مطبوعۃ: دار الکتب العلمیۃ)

یعنی دلیل قطعی ہوگئی جس سے قرشیت کا شرط ہونا یقینی ہوگیا۔

اسی میں ہے: "اشترطه الاشاعرة" اہل سنت کے نزدیک خلیفہ کا قرشی ہونا

شرط ہے۔

(۱۵) حضرت فقیہ علی بن سلطان محمد القاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"یشترط ان یکون الامام قرشیا لقوله صلی الله تعالی علیه وسلم: "الائمة من قریش" وهو حدیث مشهور ولیس المراد به الامامة فی الصلاة اتفاقا فتعینت الامامة الکبری خلافا للخوارج و بعض المعتزلة".

(منح الروض الازہر شرح فقہ الاکبر، ص/ ۴۱۲، ۴۱۳، مطبوعۃ: دار البشائر الاسلامیۃ)

شرط یہ ہے کہ خلیفہ قریشی ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: "ائمہ قریش سے ہوں"۔ اور یہ حدیث مشہور ہے اور اس میں امامت نماز باجماع مراد نہیں تو ضرور خلافت مراد ہے اس میں مخالف خارجی ہیں یا بعض معتزلی۔

(۱۶) حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ طریقۂ محمدیہ سے نقل کرتے ہیں:

"المسلمون لابد لهم من امام قرشی ولا یشترط ان یکون هاشمیا".

(فتاویٰ رضویہ، ج/ ۱۴، ص/ ۱۹۲، مطبوعہ: مرکز اہلِ سنت برکات رضا، گجرات)

مسلمانوں کے لیے ضرور ہے کہ کوئی قریشی خلیفہ ہو اور ہاشمی ہونا شرط نہیں۔

(۱۷) امام ابوالشکور سالمی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"اجمعنا علی ان الامام من قریش ولا یکون من غیره".

(التمہید فی بیان التوحید، الباب الحادی عشر فی الخلافۃ، ص/ ۱۷۳، مطبوعۃ: المطبع الفاروقی)

ہم اہل سنت کا اجماع ہے کہ خلیفہ قریش سے ہو، ان کے غیر سے نہیں۔

(۱۸) حضرت سراج الدین ابو محمد علی بن عثمان تیمی حنفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"یشترط ان یکون الخلیفۃ قرشیا ولا یشترط ان یکون هاشمیا".

(الفتاویٰ السراجیۃ، کتاب الکراھۃ والاستحسان، باب المسائل الاعتقادیۃ، ص/۳۰۹، مطبوعۃ: دار الکتب العلمیۃ)

خلیفہ میں شرط ہے کہ قرشی ہو، ہاشمی ہونا شرط نہیں۔

(۱۹) علامہ زین الدین علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"یشترط فی الامام ان یکون قرشیا"۔

(الاشباہ والنظائر، الفن الثالث، ما افترق فیہ الامامۃ العظمی والقضاء، ص/۳۲۵، مطبوعۃ: دالکتب العلمیۃ)

خلیفہ میں شرط ہے کہ قریشی ہو۔

(۲۰) حضرت سید احمد حنفی حموی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"یشترط نسب قریش لقوله علیه السلام "الائمة من قریش".

(غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر، الفن الثالث، ج/۴، ص/۱۱۱، مطبوعۃ: دار الکتب العلمیۃ)

قرشی ہونا شرط ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خلفا قریشی ہوں۔

(۲۱) حضرت محمد بن علی حنفی حصکفی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"یشترط کونه مسلما حرا، ذکرا، عاقلا، بالغا، قادرا، قرشیا". (الدر المختار، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ، ص/۷۵، مطبوعۃ: دار الکتب العلمیۃ)

خلیفہ ہونے کے لیے مسلمان، آزاد، مرد، عاقل، بالغ، قادر، قرشی ہونا شرط ہے۔

(۲۲) حضرت امام طحطاوی علامہ احمد بن محمد طحطاوی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"اشترط کونه قرشیا لقوله صلی الله علیه وسلم الائمة من قریش وقد سلمت الانصار الخلافة لقریش بهذ

الحدیث"۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار، باب الائمۃ، ج/۲، ص/۲۴۵، مطبوعہ: دارالکتب العلمیۃ)

خلیفہ کا قرشی ہونا شرط ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الائمۃ من قریش" اسی حدیث سے انصار نے قریش کو خلافت سپرد کردی۔

(۲۳) حضرت محمد بن عمر عابدین علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

"وبہ یبطل قول الضراریۃ ان الامامۃ تصلح فی غیر قریش والکعبیۃ ان القرشی اولی بہا"۔

(ردالمحتار علی الدر المختار حاشیۃ ابن عابدین، ج/۲، ص/۲۸۰، مبطوعہ: دارعالم الکتب)

اسی (حدیث وصحابہ کے اتفاق) سے ضراریہ کا قول باطل ہوا جو کہتے ہیں کہ خلافت غیر قریش میں لائق ہے۔ اور کعبیہ کا جو کہتے ہیں خلافت کے لیے قرشی ہونا صرف اولیٰ ہے یعنی ان دونوں گمراہ فرقوں نے اہل سنت کا خلاف کیا اول نے غیر قرشی کی خلافت کو اولیٰ جانا دوم نے قرشی کی خلافت کو صرف اولیٰ سمجھا لازم نہ جانا اہل سنت کے نزدیک خلیفہ کا قرشی ہونا لازم ہے دوسرا خلیفہ شرعی نہیں ہوسکتا۔

❁❁❁

شرط قرشیت اور ماضی قریب کے اکابرین

(۱) پیر مہر علی شاہ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"پیر مہر علی شاہ سے سوال کیا گیا کہ کیا حکومت ترکیہ شرعا خلافت اسلامیہ ہے؟ آپ نے فرمایا کہ اسلامی خلافت صرف تیس برس رہی اس کے بعد

سلطنت ہو گئی لہٰذا سلطنت ترکیہ خلافت اسلامیہ نہیں"۔

(سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور تحریک خلافت، مطبوعہ: ادارہ مظہر اسلام)

(۲) حضور صدر الشریعہ مفتی امجد علی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"امامت کبریٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت مطلقہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت سے مسلمانوں کے تمام امور دینی و دنیوی میں حسب شرع تصرف عام کا اختیار رکھے اور غیر معصیت میں اس کی اطاعت، تمام جہان کے مسلمانوں پر فرض ہو۔ اس امام کے لیے مسلمان، آزاد، عاقل بالغ، قادر، قرشی ہونا شرط ہے"۔

(بہار شریعت، امامت کا بیان، ج ر ۱، ح ر ۱، ص ر ۲۴۳، مطبوعۃ: مکتبۃ المدینۃ)

(۳) حضور شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

"قصہ یہ ہوا کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد انگریز اور یورپ کی حکومتوں نے ترکی کی سلطنت اسلامیہ کو تباہ کرنے کی کوشش شروع کی تو اس کو بچانے کی تحریک ہندوستان میں چلی اور اپنی بے علمی اور جہالت کی وجہ سے مدار اس پر رکھا کہ ترکوں کی حکومت خلافت اسلامیہ ہے اور چوں کہ وہ قریش نہیں تھے اس لیے خلیفۃ المسلمین کے لیے اس شرط سے انکار کر دیا حالانکہ یہ انتہائی حماقت تھی احادیث کریمہ سے ثابت اہل سنت کے اجماعی عقیدہ کے خلاف محاذ آرائی کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ ترکوں کی عثمانی حکومت مسلمانوں کی حکومت تھی، اس کی عظیم خدمات تھیں، اس کی حفاظت و صیانت کے لیے کوشش ہر مسلمان پر بقدرِ وسعت فرض تھی۔ حمایت کے لیے ضروری نہیں تھا کہ اہلِ سنت کے اجماعی عقیدہ کو ذبح کر کے اس کے

تعاون پر مسلمانوں کو اُکسایا جائے"۔

(نزھۃ القاری شرح صحیح البخاری، کتاب الاحکام، ج/۵، ص/ ۸۸۲، ۸۸۳، مطبوعۃ: فرید بک سٹال)

❁❁❁

سلاطین نے بھی خلیفہ اور سلطان میں فرق کیا

جو سلاطین اسلام گزرے خواہ ترک ہوں یا مغل یا پٹھان یا کوئی اور، کسی نے اپنے آپ کو خلیفہ نہ کہلوایا۔ نہ خلافت شرعیہ کا دعویٰ کیا، جب تک خلافت عباسیہ رہی سب اسی کو خلافت مانتے رہے، اور جب ۶۵۶ھ میں تاتاریوں نے بغداد پر حملہ کیا اور جامۂ خلافت کو تار تار کر دیا تو ساڑھے تین برس تک خلافت منقطع رہی، اور کسی نے بھی اپنے لیے خلافت کا دعویٰ نہیں کیا۔ ایسا نہیں ہے کہ اس وقت کوئی سلطان اسلام نہیں تھا، یا تھا تو وہ اثر ورسوخ والا نہیں تھا۔ بلکہ اس وقت بھی قاہر سلطنتیں موجود تھیں۔ پھر بھی مصر میں سلطان بیبرس نے عباسی خاندان کو تلاش کر کے خلافت عباسیہ کو دوبارہ قائم کیا اور خود سلطان ہوتے ہوئے مستنصر باللہ عباسی کو خلیفہ بنایا۔

سلطان بیبرس جس نے خلافت عباسیہ کو دوبارہ قائم کیا، وہ اپنا پروانۂ سلطنت لینے خلیفہ مستنصر کے پاس گیا، اور پروانۂ سلطنت حاصل کیا تو خلیفہ نے محض اظہار انقیاد کے لیے اس کے پاؤں میں سونے کی بیڑیاں ڈالیں اور سلطان نے خدم وحشم کے ساتھ یونہی اپنے دار السلطنت قاہرہ میں گشت کیا کہ گلے میں طوق اور پاؤں میں بیڑیاں تھیں۔ اور آگے آگے وزیر کے سر پر خلیفہ کا عطا کیا ہوا پروانۂ سلطنت تھا۔ اس واقعہ سے ظاہر ہو گیا کہ ان سلاطین کے نزدیک قرشیت کی شرط کتنی اہم تھی۔ ورنہ تو خود بیبرس ہی نے خلافت

قائم کی تھی اگر اس میں اپنی توہین سمجھتا یا اپنے سے نیچا خلیفہ کو جانتا تو فوراً ختم کر دیتا۔ لیکن اس نے اپنے اقتدار کا خیال نہ کیا اور ان کی قریشیت کے آگے سر جھکا دیا۔

جب بیبرس نے مستنصر کی خلافت قائم کرنی چاہی تو سب میں پہلے امام اجل امام عزالدین بن عبد السلام نے بیعت فرمائی، پھر سلطان بیبرس پھر قاضی پھر امراء وغیرہم نے۔

خود ترکی سلاطین نے بھی خود کو خلیفہ نہ کہا۔ اور سلطنت عثمانیہ کے جن سلاطین کے بارے میں یہ آتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے لیے خلیفہ کا لفظ کہا تو وہ سلطان سلیم کے بعد کے کچھ سلاطین ہیں، اور سلطان سلیم سلطان محمد فاتح کا پوتا ہے اور اس کی حکومت ۹۱۸ھ میں قائم ہوئی، اور خلافت عباسہ قائم ہوئے پچاس سال کا عرصہ گزر چکا تھا، اور سلیم سے پہلے تقریبا پانچ عثمانی سلاطین گزرے جنھوں نے خود کو خلیفہ نہ کہا۔

ان سلاطین کے واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ انھوں نے کبھی بھی غیر قریشی کی خلافت کو خلافت نہیں جانا، اور نہ صرف سلاطین بلکہ بکثرت ائمہ وعلما نے بھی اس کو خلافت نہ جانا۔

امام جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفا میں فرمایا: میں نے اس میں کسی عبیدی کا ذکر نہ کیا کہ کئی وجہ سے ان کی خلافت صحیح نہیں ایک تو وہ قرشی نہ تھے وہ بدمذہب بے دین کم از کم رافضی تھے۔ ”ومثل ھؤلاء لا تنعقد لھم بیعۃ، ولا تصح لھم امامۃ“

(تاریخ الخلفاء، مقدمۃ المصنف، ص ر ۸، مطبوعۃ: دار ابن حزم)

ایسوں کے لیے نہ بیعت ہو سکے نہ ان کی خلافت صحیح۔

تیسرے یہ کہ ان کی بیعت اس وقت ہوئی کہ خلافت عباسی قائم تھی اور ایک وقت میں دو خلیفہ نہیں ہو سکتے۔

چوتھی یہ کہ حدیث فرما چکی کہ خلافت جب بنی عباس کو ملے گی پھر ظہور امام مہدی

تک دوسرے کو نہ پہنچے گی، ان وجوہ سے میں نے عبیدیوں کو ذکر نہ کیا "وانما ذکرت الخلیفۃ المتفق علی صحۃ امامتہ" میں نے وہی خلفا ذکر کیے جن کی خلافت کی صحت پر اتفاق ہے۔

دیکھو! کیسے صریح نص ہیں کہ یہ کمزور خلافتیں بھی صحیح خلافت ہیں آخر کس لیے، اس لیے کہ قرشی ہیں اور زبردست طاقتور سلاطین غیر قرشی۔

(فتاویٰ رضویہ، ج/۱۴، ص/۱۸۰، مطبوعہ: مرکز اھل سنت برکات رضا، گجرات)

قارئین! ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ خلیفہ کون ہونا چاہئے اور یہ کہ کیسے کیسے با اقتدار سلاطین ہیں جن میں ترک بھی ہیں سب کو امام سیوطی نے نکال دیا، اور خلافت نبوت ایسی کمزور خلافت مصر میں مانی پھر اس پر نص ہے کہ کمزور خلافتیں بھی صحیح خلافت ہیں آخر کیوں؟ اس لیے کہ وہ قرشی ہیں اور زبردست طاقتور سلاطین غیر قریشی یہ قریشیت کا فرق نہیں تو اور کیا ہے۔

اسی لیے خود ترکی کے سلاطین نے بھی اپنے لیے خلافت شرعیہ کا دعویٰ نہ کیا جیسا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فتاویٰ رضویہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"ترکی سلاطین اسلام پر رحمتیں ہوں وہ خود اہل سنت تھے اور ہیں مخالفت انھیں کیوں کر گوارا ہوتی، انھوں نے خود خلافت شرعیہ کا دعویٰ نہ فرمایا اپنے آپ کو سلطان ہی کہا سلطان ہی کہلوایا اس لحاظ مذہب کی برکت نے انھیں وہ پیارا خطاب دلایا کہ امیر المومنین وخلیفۃ المسلمین سے دلکشی میں کم نہ آیا یعنی خادم الحرمین الشریفین"۔

❁❁❁

کیا خلافت کا انکار سلطنت عثمانیہ کی مخالفت ہے؟

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت رضی اللہ عنہ کو سلطنت عثمانیہ کا مخالف ثابت کرنے کے لیے مخالفین کا دوسرا ہتھکنڈا یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان تحریک خلافت کے مخالف تھے۔ اگر انہیں سلطنت عثمانیہ سے محبت ہوتی تو کبھی بھی تحریک خلافت کی مخالفت نہیں کرتے۔ بہت سے سادہ لوح، مخالفین کے اس فریب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ لہذا اس فریب کا پردہ چاک کر کے اصل حقائق کو بے نقاب کرنا ضروری ہے۔ ان حقائق سے روشناس ہونے کے لیے تحریک خلافت کا پس منظر اور پیش منظر پھر اس کے پوشیدہ مقاصد اور نتائج سے آگاہی حاصل کرنا لازم ہے۔ ذیل میں ماہر رضویات پروفسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی کتاب ''پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی اور تحریک خلافت'' سے اس کی تفصیل پیش خدمت ہے:

تحریک خلافت کا پس منظر

سلطنت عثمانیہ مسلمانوں کی ایک عظیم سلطنت تھی، عقائد میں اہل سنت و جماعت اور سلف صالحین کی پیرو تھی اور دنیا کی ایک بڑی قوت تھی جس کا کوئی مد مقابل نہ تھا۔ یہ سلطنت دنیا کے چار براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی، اس کی ہیبت سے یورپ کانپتا تھا۔ اس کی تباہی و بربادی کے لیے تدبیریں سوچی جانے لگیں، اور ایک تدبیر یہ سمجھ میں آئی کہ مسلمانوں میں نئی سیاسی اور دینی قوت کو جنم دیا جائے۔ اس کے لیے جزیرۂ عرب کا انتخاب کیا گیا، چنانچہ برطانیہ کے وزارت نو آبادیات کے محکمۂ جاسوسی نے اس مشن کے لیے جاسوس روانہ کیے، جنھوں نے علاقائی عصبیتوں کو جگا کر مقامی لوگوں کو ترکوں کے خلاف

بغاوت پر آمادہ کیا اور سلف صالحین کے خلاف نئے دینی رہنماؤں کو ہموار کر کے دینی سطح پر انتشار پیدا کیا، اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے وہ سلطنت جو دنیا کے بڑے علاقے پر پھیلی ہوئی تھی سیاسی انتشار اور مذہبی اختلال کی وجہ سے سمٹنے لگی، اور بالآخر ختم ہو کر ایک جمہوری حکومت کی صورت میں نمودار ہوئی، جس کا کوئی سرکاری مذہب نہ تھا۔ مغربی طاقتوں کا یہی مدعا تھا جو انھوں نے سازشوں کا جال پھیلا کر حاصل کر لیا۔

اسلامی دنیا میں سلطان ترکی کو مقامات مقدسہ کے خادم اور بڑی اسلامی مرکزی سلطنت کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے "خلیفۃ المسلمین" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ جب اتحادیوں نے اس سلطنت کو پارہ پارہ کر دیا تو فطری طور پر ہندوستان کے سنی مسلمانوں کو جو اس سلطنت کو سنیت اور اسلامی شوکت کی آخری یادگار خیال کرتے تھے، سخت صدمہ ہوا۔ ۱۹۰۸ء میں سلطان عبد الحمید خان کو معطل کیا گیا، یہ معزولی سلطنت عثمانیہ کے زوال اور انتشار کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اس وقت سلطنت ترکیہ بحیرہ عرب سے بلغاریہ اور طرابلس تک پھیلی ہوئی تھی۔

سلطان عبد الحمید کی معزولی کے بعد بلغاریہ ہاتھ سے گیا، پھر آسٹریا نے ترکی علاقوں پر قبضہ کر لیا، ۱۹۱۰ء میں اٹلی نے دول مغرب کے اشاروں پر طرابلس میں جنگ چھیڑ دی اور کافی علاقے ترکوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ پھر ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم دوم شروع ہونے پر ترکوں نے جرمنی کا ساتھ دے کر رہی سہی قوت بھی کھو دی۔ اتحادیوں نے عرب ممالک میں بغاوت کرا کے ۱۹۱۶ء اور ۱۹۱۷ء کے درمیان بتدریج شام، حجاز، فلسطین، عراق سب علیحدہ کرا لیے اور یہ عظیم سلطنت مختصر سے علاقوں پر محدود ہو کر رہ گئی۔ ۱۹۱۹ء میں جنگ عظیم ختم ہونے کے بعد جب اتحادیوں نے ترکیہ کو آپس میں تقسیم کرنا

شروع کیا تو ہندوستان کے مسلمان بپھر گئے اور ہندو بھی۔

اصل میں بات یہ تھی کہ دوسری جنگ عظیم (۱۹۱۴ء۔ ۱۹۱۸ء) کے موقع پر انگریزوں نے ہندوستانی لیڈروں سے وعدہ کیا تھا کہ اگر انھوں نے جنگ میں برطانیہ کی مدد کی تو اس کے صلے میں جنگ جیتنے کے بعد ہندوستان کو آزادی دے دی جائے گی، چنانچہ وہی لیڈر جو بعد میں انگریزوں کے سخت خلاف ہوئے انگریزوں کی مدد کے لیے انھوں نے دن رات ایک کر دیئے، گاندھی اور محمد علی جوہر نے برطانوی فوج میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو خوب بھرتی کرایا، حالانکہ انگریزوں کی جنگ ترکوں کے خلاف تھی مگر ہندوستانی لیڈروں کو حقیقت میں ہندوستان کی آزادی مطلوب تھی، ترکوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔

(سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور تحریک خلافت، مطبوعہ: ادارہ مظہر اسلام، لاہور)

تحریک خلافت کا اصل مقصود

۱۹۱۸ء میں جب جنگ عظیم ختم ہوئی تو انگریزوں نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا۔ جس سے ہندوستانی لیڈر برافروختہ ہو کر انگریزوں سے انتقام لینے پر آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ انگریزوں کے خلاف ایک بھرپور تحریک چلائی جس کو تحریک خلافت کا نام دیا جاتا ہے۔ اس تحریک میں اہل سنت وجماعت کا خوب استحصال کیا گیا۔ سیاست داں اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے کبھی عوام الناس کے دینی جذبے کو ابھارتے ہیں، کبھی علاقائی جذبے کو، کبھی لسانی جذبے کو۔ تحریک خلافت میں اہل سنت وجماعت کے دینی جذبے کو ابھارا گیا جس سے تحریک میں جان آگئی اور ساتھ ہی یہ باور کرایا گیا کہ سلطنت ترکیہ، خلافت اسلامیہ ہے

جس کی حفاظت کے لیے تن من دھن کی قربانی ہر مسلمان پر فرض ہے۔ قوی ضعیف کی مدد کرسکتا ہے، جو خود ضعیف ہے وہ ضعیف کی کیا مدد کرسکتا ہے؟ سلطنت ترکیہ دم توڑ رہی تھی، ہندوستان کے مسلمان بھی بے بس اور مجبور تھے، نہ ان کی سیاست مستحکم تھی نہ معیشت مستحکم تھی، اور نہ دینی و اخلاقی حالت ہی اچھی تھی۔ ایسی صورت میں جان و مال کی بازی لگانا خود کو ہلاک کرنا تھا۔ اس لیے دیدہ ور مدبروں نے یہی کہا کہ مسلمان جذبات میں آکر خود کو ہلاک نہ کریں۔ ترکیہ کی جتنی مدد کرسکتے ہیں کریں۔ انھوں نے اس حقیقت کو واشگاف بتایا کہ سلطنت ترکیہ خلافت اسلامیہ نہیں جس کی حفاظت ہر مسلمان پر فرض ہے، یہ محض ایک مسلمان سلطنت ہے جس کی امداد حسب استطاعت ہر مسلمان پر واجب ہے۔

تحریک خلافت کا اصل مقصود انگریزوں سے انتقام لینا اور ہندوستان کی آزادی کے لیے ان کو مجبور کرنا تھا، اس میں ہندو اور قوم پرست مسلمان دونوں شریک تھے اور اہل سنت اس لیے شریک تھے، کہ بظاہر تحریک ایک ایسی سلطنت کی حمایت میں تھی جو عقائد اہل سنت کی پاسدار تھی۔ (سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور تحریک خلافت، مطبوعہ: دارہ مظہر اسلام، لاہور)

❁❁❁

تحریک خلافت کے پوشیدہ مقاصد

انگریزوں سے انتقام لینے اور ہندوستان کی آزادی کے لیے انگریزوں کو مجبور کرنے کے علاوہ تحریک خلافت کے کئی پوشیدہ مقاصد بھی تھے۔ مثلا:

(الف) ہندوؤں کو مسلمانوں کے قریب لانا اور اس باہمی اتحاد سے کانگریس کو، جو ہندوؤں کی ایک کمزور سیاسی جماعت تھی، قوی کرنا۔

(ب) کانگریس کی خفیہ مالی امداد کرنا۔

(ج) مسلمانوں کو زندگی کی ہر سطح پر کمزور کرنا۔

(د) اہل سنت کے اکابر علما و مشائخ (جو مسلمانوں کو ہندوؤں اور قوم پرست لیڈروں کے پوشیدہ مقاصد سے باخبر کر رہے تھے) کو بدنام کرنا اور ان کی کردار کشی کرنا۔

ہندو لیڈروں نے محسوس کیا کہ مسلمانوں کے تعاون کے بغیر وہ آزادی کی جنگ نہیں جیت سکتے اور اپنے عزائم میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اسی زمانے میں تحریک خلافت شروع ہوئی اور جذبات کا ایک طوفان امنڈ آیا۔ موقع سے فائدہ اٹھا کر ہندوؤں نے پہل کی اور گاندھی تحریک خلافت میں شامل ہو گئے، جن کا مسلمانوں نے نہایت گرم جوشی سے استقبال کیا بلکہ فرط محبت میں ان کو اپنا پیشوا بنا لیا۔ علما تک ان کے قدم بہ قدم چلنے لگے، اس سے فائدہ اٹھا کر گاندھی نے دوسرے ہی سال ۱۹۲۰ء میں تحریک ترک موالات شروع کر دی (یعنی انگریزوں سے ہر قسم کا مکمل بائیکاٹ)۔ یہ تحریک ایک طرف انگریزوں سے ترک موالات کی تحریک تھی تو دوسری طرف ہندوؤں سے موالات اور دوستی و اخوت کی تحریک۔ چنانچہ اسی زمانے میں ''ہندو مسلم بھائی بھائی'' کے خوب نعرے لگے، اور مسلمان قریب سے قریب آ گئے۔ گاندھی کا مقصود یہی تھا۔ مسلمان اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ انھوں نے اپنی پیشانیوں پر قشقہ لگوایا، مندروں میں گئے، ارتھیوں کو کندھا دیا، گائے کی قربانی چھوڑ دی وغیرہ وغیرہ۔

(سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور تحریک خلافت، مطبوعہ: دارہ مظہر اسلام، لاہور)

تحریک خلافت کی آڑ میں مخالفین کی ریشہ دوانی

تحریک خلافت سے یہ منافع تو ہندوؤں نے حاصل کیے۔ بعض منافع علمائے دیوبند اور علمائے وہابیہ نے بھی حاصل کیے۔ جس کی تفصیل یہ ہے:

سلطنت عثمانیہ ایک متصلب سنی سلطنت تھی۔ یہی وہ سلطنت تھی جس نے گنبد خضراء کی تعمیر کی اور حرمین شریفین میں ازواج مطہرات وصحابہ کرام کے مزارات پر بکثرت قبے بنوائے جو بعد میں ابن سعود نے ڈھا دیے۔ یہ ایک خونچکاں داستان ہے۔ جس زمانے میں تحریک خلافت چلی اس سے کچھ قبل علمائے دیوبند اور علمائے وہابیہ کے خلاف علمائے اہل سنت نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کی گستاخانہ عبارات کے خلاف ایک بھرپور مہم چلائی تھی جس سے ان کی ساکھ کو سخت نقصان پہنچا۔ اور ان کو مجبوراً اور مصلحتاً ان افکار وعقائد کو تسلیم کرنا پڑا جو ان کے خیال میں ناجائز وحرام تھے۔ جیسا کہ المھند (مصنف مولانا خلیل احمد انبیٹھوی) کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے۔ اپنے وقار کو قائم کرنے کے لیے انھوں نے مناسب خیال کیا کہ ایک سنی سلطنت کی حمایت کی جائے تا کہ پاک وہند کے مسلمان (جن کی اکثریت عشق رسول کی پاسداری ہے) قریب آجائیں اور ان کے دل ان کی طرف سے صاف ہوجائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ سنی مسلمان جو کچھ عرصہ پہلے علمائے دیوبند اور علمائے وہابیہ سے وحشت زدہ تھے شیر وشکر ہوگئے، اور اس حد تک قریب آگئے کہ اپنوں کو بھی چھوڑ بیٹھے۔ لیکن جب مصطفیٰ کمال نے سلطان ترکی عبد الحمید خان کو جلاوطن کر کے جمہوری حکومت قائم کی، علمائے دیوبند اور علمائے وہابیہ نے مبارکباد کے تار بھیجے (کہ آج ایک سنی سلطنت ختم ہوگئی)۔ یہ نظارہ دیکھ کر وہ اہل سنت جو

اپنے مخدوموں کو چھوڑ بیٹھے تھے سخت نادم ہوئے اور تائب بھی۔

(سید پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور تحریک خلافت، مطبوعہ: دارہ مظہر اسلام، لاہور)

اس سے ظاہر ہو گیا کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سلطنت عثمانیہ کے خلاف نہ تھے۔ بلکہ تحریک خلافت کی آڑ میں غیر شرعی امور کے مخالف تھے چنانچہ ڈاکٹر محمد مسعود لکھتے ہیں:

سیاسی اعتبار سے جہاں تک سلطنت عثمانیہ، مقامات مقدسہ اور سلطان المسلمین کی حاکمیت تسلیم کیے جانے کا تعلق ہے۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا بریلوی دوسرے مسلمان لیڈروں سے قطعی متفق تھے، انھیں تو صرف ان کے طرز عمل سے اختلاف تھا۔ جو گاندھی جی کے زیر اثر اور زیر قیادت اختیار کیا گیا تھا۔

❁❁❁

اعلیٰ حضرت نے تحریک خلافت کی مخالفت کیوں کی؟

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے تحریک خلافت کی مخالفت کیوں کی اس کی وجہ وہ نہیں جو مخالفین بیان کرتے ہیں کہ وہ سلاطین عثمانیہ کے خلاف تھے بلکہ مخالفت کی اصل وجہ کیا ہے اسے مندرجہ بالا حقائق کی روشنی میں سمجھا جا سکتا ہے اور خود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا:

''مقصد بتایا جاتا ہے اماکن مقدسہ کی حفاظت، اس میں مومن مسلمان خلاف کر سکتا ہے؟ اور کاروائی کی جاتی ہے، کفار سے اتحاد، مشرک لیڈروں کی غلامی و تقلید، قرآن شریف و حدیث شریف کی عمر کو بت پرستی پر نثار کرنا، مسلمانوں کو قشقہ لگانا، کافروں کی جے بولنا، رام لچھمن پر پھول چڑھانا اور رامائن کی پوجا میں شریک ہونا، مشرک کا جنازہ اپنے

کندھوں پر اٹھا کر اس کے جے بول کر مرگھٹ پر لے جانا، کافروں کو مسجد میں لے جا کر مسلمانوں کا واعظ بنانا، شعائر اسلام قربانی گاؤ کو کفار کی خوشامد میں بند کرنا۔ ایک ایسے مذہب کی فکر میں ہونا جو اسلام و کفر کی تمیز اٹھا دے اور بتوں کے معبد پر آگ کو مقدس ٹھہرائے۔ اور اس طرح بہت سے اقوال، احوال، افعال جن سے پانی سر سے گذر گیا، جنھوں نے اسلام پر یکسر پانی پھیر دیا۔ کون مسلمان موافقت کر سکتا ہے؟ ان حرکات خبیثہ کے رد میں فتوے لکھے گئے اور لکھے جا رہے ہیں۔ اس سے زیادہ کیا اختیار ہے؟ پاکی ہے اسے جو مقلب القلوب والابصار ہے۔ حسبنا اللہ نعم الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم.

صدر الافاضل مرادآبادی علیہ الرحمہ خلافتی علما کے سرخیل حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی پر سخت تنقید کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہندو امام بنے ہوئے آگے آگے ہیں اور مسلمان آمین کہنے والے کی طرح ان کی ہر صدا کے ساتھ موافقت کر رہے ہیں۔ پہلے گاندھی کا حکم ہوتا ہے، اس کے پیچھے مولوی عبدالباری کا فتوی مقلد کی طرح سر نیاز خم کرتا چلا جاتا ہے، ہندو آگے بڑھتے ہیں اور مسلمان ان کے پیچھے پیچھے اپنا دین ان پر نثار کرتے چلے جاتے ہیں"۔

(جہان امام احمد رضا، ج ۱۹/ ص/ ۲۵۸، مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی)

خلافتی علما کا تعاقب

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے ۱۹۲۰ء میں رسالہ "دوام العیش" تحریر کیا ہے،

اس دور میں خلافتی علما اس حد تک پہنچ گئے تھے کہ مخالفین پر کفر کا فتویٰ لگا رہے تھے۔

پروفسر محمد مسعود احمد مجددی لکھتے ہیں کہ خلافتی علما کا عناد اس حد تک جا پہنچا کہ "جو سلطنت ترکیہ کو خلافت شرعیہ نہ سمجھے اور جو سلطان ترکی کو خلیفۃ المسلمین نہ مانے وہ کافر ہے"۔

خلافتی علما جب اپنے مقاصد میں ناکام نظر آنے لگے تو امام احمد رضا پر الزام تراشیاں شروع کردیں۔ امام احمد رضا فرماتے ہیں:

"اور کہنے کو موقع مل جائے کہ دیکھئے انہیں مسلمانوں سے ہمدردی نہیں، یہ تو معاذ اللہ نصاریٰ سے ملے ہوئے ہیں"۔

(فتاوی رضویہ، ج ر ۱۴، ص ر ۲۲۵، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا)

دوام العیش میں خلافتی علما کا تعاقب کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"ترکوں کی حمایت تو محض دھوکہ کی ٹٹی ہے۔ اصل مقصود بغلامی ہنود سوراج کی چکھی ہے، بڑے بڑے لیڈروں نے جس کی تصریح کردی ہے، بھاری بھرکم خلافت کا نام لو، عوام بھپریں، چندہ خوب ملے، گنگا و جمنا کی مقدس زمینیں آزاد کرانے کا کام چلے"۔

(فتاوی رضویہ، ج ر ۱۴، ص ر ۲۲۵، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا)

امام احمد رضا محدث بریلوی کی بصیرت اور ان کا موقف اس وقت واضح ہوکر سامنے آیا جب سلطان عبدالحمید کی حکومت ختم ہوئی۔ اور پھر خلافتی علما اس طرح ٹھنڈے پڑے کہ تحریک خلافت کا دوبارہ کبھی نام بھی نہیں لیا۔ ہاں اس سے یہ فائدہ حاصل کیا کہ خالص سیاسی مقاصد کے لیے ان کا راستہ صاف ہوگیا۔

اسی انجام کے پیش نظر آپ کے فرزند اصغر مفتی اعظم ہند مولانا الشاہ مصطفی رضا خان قادری بریلوی علیہ الرحمۃ بہت ہی کرب کے ساتھ فرماتے ہیں:

انسان کو چاہیے کہ بات کہنے اور کام کرنے سے پہلے اس مآل وانجام پر نظر رکھے

جس کا آخر حسن ہو اسے اختیار کرے، ورنہ نہیں، تیرہ سو برس کے اجماعی اتفاقی مسئلہ میں اختلاف کا حاصل سوائے تشتت اور افتراق بین المسلمین اور کیا تھا؟ ترکوں کو تو اس سے کچھ فائدہ پہنچا نہیں ہاں اختلافات مسلمین میں ایک اور اضافہ ہو گیا۔

(جہان امام احمد رضا، ج/۱۹، ص/۲۵۹۔۲۶۰، مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی)

❁❁❁

جھوٹ کا پردہ فاش

جھوٹ کی عمر نہیں ہوتی جب سچائی کا سورج چمکتا ہے تو کذب کی تاریکیاں منھ چھپا کر غائب ہو جاتی ہیں۔ یہی معاملہ وہابیہ کی اس کذب بیانی اور فریب کاری کا ہوا۔ اور جلد ہی حقیقت شناس لوگ سچائی تک پہنچ گئے۔ اور یہ حقیقت چھپ بھی کیسے سکتی تھی جب کہ امام احمد رضا نے جس مقام پر شرط قرشیت پر بحث کر کے سلطنت عثمانیہ سے خلافت کی نفی پر دلائل قائم کیے وہیں سلطنت عثمانیہ کی اعانت وامداد بقدر قدرت فرض قرار دی، چنانچہ اپنے رسالہ "دوام العیش من الائمۃ من قریش" کے آغاز میں لکھتے ہیں:

"سلطنت عثمانیہ ایدھا اللہ تعالیٰ نہ صرف عثمانیہ ہر سلطنت اسلام نہ صرف سلطنت ہر جماعت اسلام نہ صرف جماعت ہر فرد اسلام کی خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے اس میں قرشیت شرط ہونا کیا معنی، دل سے خیر خواہی مطلقاً فرض عین ہے اور وقت حاجت دعا سے امداد و اعانت بھی ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس سے کوئی عاجز نہیں اور مال یا اعمال سے اعانت فرض کفایہ ہے اور ہر فرض بقدر قدرت ہر حکم بشرط استطاعت"۔

(فتاوی رضویہ، ج/۱۴، ص/۱۷۴، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا)

❁❁❁

خلافت کا انکار ہے اعانت کا نہیں!

تحریک خلافت کی آڑ میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کو سلطنت عثمانیہ کا مخالف ثابت کرنے والوں کو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے دندان شکن جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ جھگڑا ڈالنے کے لیے اس تحریک کو لفظ خلافت سے شروع کر کے عقیدۂ اجماعیہ کی مخالفت کی گئی۔

چنانچہ فتاوی رضویہ میں ہے:

''رہا مسئلۂ اعانت، کیا آپ لوگوں کے زعم میں سلطان اسلام کی اعانت کچھ ضرور نہیں، صرف خلیفہ کی اعانت جائز ہے کہ مسلمانوں کو اعانت پر ابھارنے کے لیے ادعائے خلافت ضرور ہوا، یا سلطان مسلمین کی اعانت صرف قادروں پر ہے اور خلیفہ کی اطاعت بلا قدرت بھی فرض ہے، یہ نصوص قطعیہ قرآن کے خلاف ہے، اور جب کوئی وجہ نہیں پھر کیا ضرورت تھی کہ سیدھی بات میں جھگڑا ڈالنے کے لیے جملہ علمائے کرام کی واضح تصریحات متظافرہ اور اجماع صحابہ واجماع امت واحادیث متواترہ کے خلاف یہ تحریک لفظ خلافت سے شروع کر کے عقیدۂ اجماعیہ اہل سنت کا خلاف کیا جائے، خارجیوں معتزلیوں کا ساتھ دیا جائے، دوراز کار تاویلوں، تبدیلیوں، تحریفوں، خیانتوں، عنادوں، مکابروں سے حق چھپانے اور باطل پھیلانے کا ٹھیکا لیا جائے، والعیاذ باللہ تعالیٰ''۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ر ۱۴، ص ر ۱۸۳، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا)

باب سوم
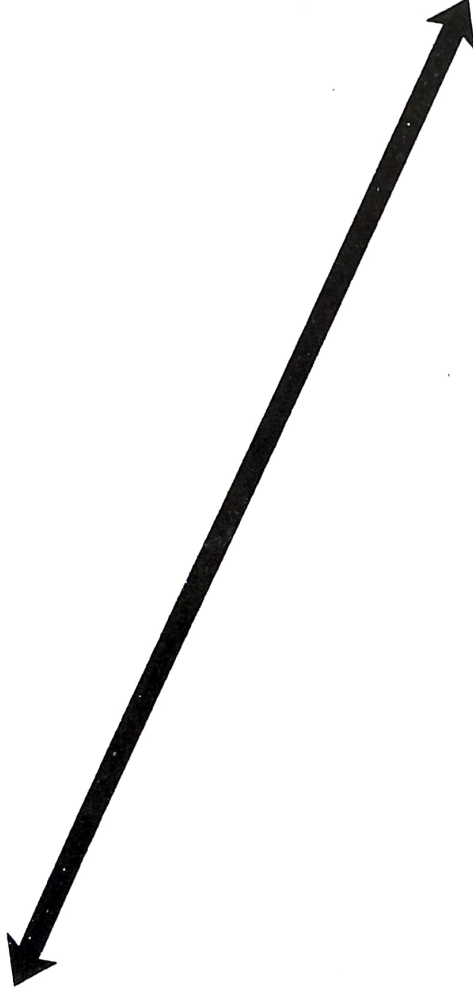
سلطنت عثمانیہ کے تعاون میں اعلیٰ حضرت کا کردار

سلطنت اسلامیہ کا تحفظ اور فکر رضا

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ نے اگرچہ شرط قرشیت مفقود ہونے کی وجہ سے سلطنت عثمانیہ کو سلطنت کہا خلافت نہ کہا۔ اور تحریک خلافت کے غلط طریقۂ کار کی وجہ سے اس تحریک کی مخالفت کی تو دوسری طرف المسلم اخو المسلم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ترکی مسلمانوں کی امداد واعانت کے لیے ہر ممکن سعی کی۔ اور محض وقتی وجذباتی تعاون پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس کے لیے ''جماعت انصار الاسلام'' کی بنیاد ڈالی۔

جماعت انصار الاسلام کے مقاصد حسب ذیل تھے:

(۱) سلطنت اسلامیہ (سلطنت ترکیہ) کی اعانت وحمایت، خادم الحرمین (سلطان عبدالحمید) کی مدد ونصرت مسلمانوں پر فرض ہے۔ (۲) مقامات مقدسہ کی حفاظت، (۳) اسلام اور مسلمانوں کی دشمنان دین سے حفاظت، (۴) مسلمانان ہند کی اخلاقی، معاشرتی، تمدنی اور اقتصادی مفاد کی طرف رہنمائی کرنا۔

اس تحریک کے بنیادی رہنماؤں میں حسب ذیل علمائے کرام ومفتیان عظام تھے۔

(۱) مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی، (۲) صدر الافاضل علامہ سید نعیم الدین مرادآبادی، (۳) حجۃ الاسلام مفتی حامد رضا خان برکاتی، (۴) صدر الشریعہ مفتی امجد علی اعظمی، (۵) ملک العلما مفتی ظفر الدین بہاری، (۶) مفکر اسلام علامہ سید سلیمان اشرف بہاری، (۷) مفتی اعظم ہند مفتی مصطفی رضا خان قادری، (۸) حضرت علامہ حسنین رضا خان بریلوی علیہم الرحمۃ۔

(جہان امام احمد رضا، ج ۱۹/ ص ۲۶۰، مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی)

اسلامی سلطنت کی امداد کی عملی کوشش

تاج العلما سید اولادِ رسول محمد میاں برکاتی علیہ الرحمۃ امام احمد رضا کی مساعی کا

ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”آج (۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) سے برسوں پہلے جنگ بلقان ۱۲-۱۹۱۱ء کے موقع

پر انھوں (امام احمد رضا) نے سلطنت اسلامی اور مظلومین مسلمین کی اعانت و امداد کی

مناسب و صحیح شرعی تدابیر لوگوں کو بتائیں، عام طور پر شائع کیں، قولاً و عملاً ان کی تائید کی۔

خود چندہ دے کر عوام کو اس کی طرف رغبت دلائی۔ اور اب بھی لوگوں کو صحیح مفید شرعی طریقے

اعانت اسلام و مسلمین کے بتا رہے ہیں۔

مولانا احمد رضا خان صاحب علیہ الرحمۃ جو عملی کوششیں کر سکتے تھے انھوں نے

کیں، خود چندہ دیا اور اپنے زیر اثر لوگوں سے دلوایا۔ مسلمانوں کو اسلامی سلطنت کی امداد

و اعانت پر توجہ و رغبت دلائی۔ تحفظ سلطنت اسلامی کی مفید و کارگر تدابیر بتائیں۔ یہ عملی

کوشش نہیں تو کیا ہے؟ اور اپنی جماعت انصار الاسلام قائم کی۔

(جہان امام احمد رضا، ج/۱۹، ص/۲۶۰، مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی)

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت کو اسلامی حکومتوں سے بڑی ہمدردی تھی اور وہ مسلمانوں

کے بہبود و بھلائی کے خواہشمند تھے، وہ ہزار دل و جان سے مسلمانوں کی خیر خواہی چاہتے

تھے، وہ ہمیشہ اس کے لیے دعا فرمایا کرتے تھے، اور وقت ضرورت مالی امداد سے بھی دریغ

نہ فرماتے تھے، بلکہ دل کھول کر خود بھی چندہ دیتے تھے، اور مریدین و معتقدین کو بھی اس کی

طرف متوجہ فرماتے۔

جس وقت روس، اور روم، کی جنگ رونما ہوئی اعلیٰ حضرت کا عنفوان شباب تھا۔ صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری دنیا ترکوں کے ساتھ تھی اس وقت ترکی کی اعانت کے لیے جو چندے بریلی میں ہوئے تھے اس میں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت اور ان کے والد ماجد مولانا نقی علی خان علیہ الرحمۃ والرضوان کا بہت بڑا حصہ تھا جو کسی دوسرے مولیوں کا نہ تھا۔

(حیات اعلیٰ حضرت، ج ر ۲، ص ر ۱۲، مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی)

مولانا شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری مزید لکھتے ہیں:

''سلطنت عثمانیہ کی حمایت وامداد میں حضور اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان جو عملی کوشش کر سکتے تھے انہوں نے کی، خود چندہ دیا جیسا کہ اوپر مذکور ہے، اپنے زیر اثر لوگوں سے بھی دلوایا، مسلمانوں کو اسلامی سلطنت کی امداد و اعانت پر توجہ و رغبت دلوائی، تحفظ سلطنت عثمانیہ کی مفید و کارگر تدابیر بتائی سلطنت عثمانیہ کی حمایت وامداد میں یہ اعلیٰ حضرت کی عملی کوشش نہیں تو اور کیا ہے''۔

''اس سے زیادہ امام احمد رضا خان فاضل بریلوی کی کوشش اور کیا ہو سکتی ہے کہ خلافت کمیٹی والے تو آج دور جدید میں حمایت خلافت وحفاظت سلطنت اسلامی کا نام لیے بیٹھے ہیں جبکہ سلطنت عثمانیہ کا خاتمہ ہو چکا ہے''۔

''اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان اس وقت بھی سلطنت عثمانیہ کے حمایت و امداد کے خواہاں تھے جب اس موجودہ مصیبت عظمیٰ کا خیال بھی دلوں سے دور تھا، اور جنگ ''بلقان'' کے ہی زمانے سے سلطنت عثمانیہ کی حمایت و اعانت میں اپنی رائے کو قولاً وعملاً ظاہر کیا، عوام کو رغبت دلانے کے لیے بریلی میں جلسۂ عام میں خود چندہ دیا۔ سلطنت عثمانیہ کی حمایت میں اور مظلومین کی اعانت میں ترک کو نافع اور مفید تدابیر سے آگاہ کیا''۔

(ملخصاً، تحریک خلافت اور ترک موالات نمبر، ص ر ۳۷، ماہنامہ کنز الایمان، لاہور)

سلطنت عثمانیہ کے بدخواہوں کا شرعی محاسبہ

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان نے کسی تحریر یا تقریر سے صراحتاً یا اشارتاً اس بات کا پتہ نہیں سکتا کہ آپ نے سلطنت عثمانیہ کی مخالفت کی البتہ یہ ثبوت ضرور ملتا ہے کہ آپ نے لوگوں کو سلطنت عثمانیہ کی مدد کرنے پر ابھارا، اور مسلمانوں کو اس کی مدد کرنے پر ترغیب دی ہے، اور آپ نے ہر ایسے شخص اور جماعت کا شرعی محاسبہ کیا ہے جو سلطنت عثمانیہ کا مخالف ہی نہیں بلکہ اس کی خستہ حالی پر مسرت کا اظہار کرتا ہو، اور ایسی جگہ آتا جاتا ہو جہاں سلطنت کو برباد کرنے کے لیے منصوبے تیار کیے جاتے ہوں۔

ذیل میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سے پوچھے گئے ایک سوال اور اس کا جواب پڑھ کر اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کا نظریہ سلطنت عثمانیہ کے حوالے سے کیسا تھا:

"کیا فرماتے ہیں علمائے دین ایسے شخص کی امامت کے بارے میں جو خلافت اسلامیہ کی تباہی اور مقامات مقدسہ پر قبضہ ہونے اعدائے دین اسلام کی مسرت میں شرکت کرتا ہو اور مصیبت زدہ مسلمان کوئی تدبیر کرتے ہوں جس سے خلافت اسلامیہ کا وقار قائم ہوجائے اور جزیرۃ العرب پر اسلامی حکومت قائم ہوجائے تو مسلمانوں کے خلاف قاتلان اسلام کی نہ صرف امداد کرتا ہو بلکہ ان کی تحسین وتبریک اور ایسی مجالس میں شرکت کرتا ہو جو خلافت کی تباہی وبربادی کے واسطے کی جاتی ہوں، اس سے تمام اہل اسلام کے قلوب متنفر ہوں کیا اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا

سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے جواب میں ارشاد فرمایا: اگر یہ باتیں واقعی ہیں کہ وہ معاذ اللہ شکست اسلام پر مسرت کرتا ہو اور قاتلان مسلمین کی تحسین، تو اس کی قابلیت امامت درکنار اس کے اسلام ہی میں کلام ہے، باقی وہ ناجائز طریقے جو مدعیان حمایت نے نکال رکھے ہیں اور جس میں مشرکین سے محبت و وداد بلکہ اتحاد بلکہ غلامی و انقیاد برت رہے ہیں، وہ سب مخالف قرآن عظیم ہیں، مسلمانوں کو ان سے جدائی فرض ہے۔

قال اللہ تعالیٰ: "لَاتَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ"۔ (المجادلۃ۔ ۲۲)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں۔

اور فرماتا ہے:

"وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ"۔ (المائدۃ۔ ۸۱)

اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ اور نبی پر اور اس پر جو ان کی طرف اترا تو کافروں سے دوستی نہ کرتے"۔ (فتاویٰ رضویہ، ج ۱۵، ص ۲۶۴۔ ۲۶۵، مطبوعہ: رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ نے سلطنت عثمانیہ کے بدخواہوں کا شرعی محاسبہ فرمایا۔

❁❁❁

سلطنت عثمانیہ کی امداد کی ترغیب

مجدد اسلام حضور سیدی اعلیٰ حضرت نے لواحقین شہدا اور مجاہدین سلطنت عثمانیہ کی مالی کفالت کے لیے مسلمانوں کو رغبت دلائی کہ صدقات نافلہ میں سے کچھ رقم ایصال ثواب کے لیے خاص کی جائے اور لواحقین شہدا اور مجاہدین سلطنت عثمانیہ کی امداد پر خرچ کیا جائے اس ضمن میں فتاوی رضویہ میں مذکور فتوی ملاحظہ فرمائیں:

بیل پور، ضلع پیلی بھیت سے محمد حسین احمد صاحب، ۶ ربیع الآخر ۱۳۳۲ھ کو آپ سے سوال کرتے ہیں:

''میری اہلیہ عرصہ سے حضرت غوث الاعظم دستگیر (رضی اللہ عنہ) کی گیارہویں میں سو امن بریانی پکوا کر نیاز دلاتی ہے اور (وہ بریانی) مساکین کو تقسیم کی جاتی ہے، کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ یہ رقم امسال شہدا و یتامیٰ عثمانیہ کی امداد کے لیے بھیجی جائے، اور گیارہویں شریف معمولاً قدر شیرینی یا طعام پر دلا دی جائے؟''

جواب میں سیدی اعلیٰ حضرت ارشاد فرماتے ہیں:

''اگر دونوں باتیں نہ ہوں تو یہی بہتر ہے کہ قدر نیاز دے کر وہ تمام قیمت امداد مجاہدین میں بھیج دی جائے اور اس کا ثواب بھی نذر روح اقدس حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کیا جائے۔ (فتاوی رضویہ، ج ۸، ص ۲۱۹، مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی)

مذکورہ مسئلے کی صورت حال اس بات کی طرف غمازی کر رہی ہے کہ امام احمد

رضا خان کا قلب اطہر سلاطین عثمانیہ اور وہاں کے مسلمانوں کے لیے اس قدر دھڑکتا تھا کہ ان کو قلبی سکون پہنچانے کے لیے آپ نے ہر طرح سے عقلی اور شرعی کوشش کی۔ یہ ساری باتیں جانتے ہوئے آج کل کے وہابیہ اور دیابنہ سیدی اعلیٰ حضرت کو سلطنت عثمانیہ کا باغی کہتے ہیں۔

❁❁❁

سلطنت عثمانیہ کی خیر خواہی

آپ سے پوچھا گیا کہ سلطنت ترکیہ کی اعانت مسلمانوں پر لازم ہے یا نہیں؟

"جواب میں حضور سیدی اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ الرضوان ارشاد فرماتے ہیں: سلطنت علیہ عثمانیہ ایدھا اللہ تعالیٰ نہ صرف عثمانیہ ہر سلطنت اسلام، نہ صرف سلطنت پر جماعت اسلام، نہ صرف جماعت ہر فرد اسلام کی خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض ہے، اس میں قرشیت شرط ہونا کیا معنی ہے؟ دل سے خیر خواہی مطلقاً فرض عین ہے، اور وقت حاجت دعا سے امداد و اعانت بھی ہر مسلمان کو چاہئے کہ اس سے کوئی عاجز نہیں اور مال یا اعمال سے اعانت فرض کفایہ ہے"۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ر ۱۱، ص ر ۴۴۴، مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی)

اسلامی سلطنت کی خیر خواہی فرض

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان سے درج ذیل چند سوالات پوچھے گئے:

(۱) سلطنت اسلامیہ عثمانیہ تباہ برباد کی جارہی ہے اس کے حصے بخرے کر لیے گئے، ایسی حالت میں ہم اہلسنت و جماعت کو اس سلطنت اسلامی سے ہمدردی اور اس کے دشمنوں سے نفرت کرنی چاہیے یا نہیں؟

(۲) اماکن مقدسہ بے حرمت کیے گئے، خصوصاً حرم شریف میں خون بہایا گیا۔ غلاف کعبۃ اللہ میں آگ لگی، ان بے حرمتی کرنے والوں اور ان افراد سے جو اس بے حرمت کا باعث ہوئے ہم کو نفرت اور عداوت رکھنی چاہیے یا نہیں؟

(۳) خصوصاً جس قوم نے سلطنت اسلامیہ کو برباد اور اماکن مقدسہ کو بے حرمت کرنے کی کوشش کی ہو وہ دشمن اسلام اور مخالف اللہ تعالیٰ و رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سمجھی جائے گی یا نہیں، اور بفحوائے آیۂ کریمہ "لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَادُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِیْرَتَهُمْ"۔ (یعنی تم نہ پاؤ گے ان لوگوں کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر کہ دوستی کریں ان سے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے مخالفت کی اگرچہ وہ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا کنبے والے ہوں) ہم اہل سنت و جماعت کو ان دشمنان اسلام سے دوستانہ تعلقات ترک کرنے چاہئیں یا نہیں؟

جواب میں امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے تحریر فرمایا:

ہر سلطنت اسلام نہ صرف سلطنت، ہر جماعت اسلام نہ صرف جماعت، ہر فرد اسلام کی خیر خواہی مسلمان پر فرض ہے۔

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدین النصح لکل مسلم". (صحیح البخاری)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دین اسلام ہر مسلمان کی خیر خواہی کا نام ہے۔

مگر ہر تکلیف بقدر استطاعت، اور فرض بقدر قدرت ہے، نامقدور بات پر مسلمان کو ابھارنا جو نہ ہوسکے اور ضرر دے، اسے فرض ٹھہرانا شریعت پر افترا اور مسلمانوں کی بدخواہی ہے۔

"قال اللہ تعالٰی: لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفساً اِلَّا وسعَھَا"۔ (البقرۃ۔ ۲۸۶)

فرمان باری تعالٰی: اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔

"وقال فی مقام آخر: فَاتَّقُو اللّٰہَ مَا استَطَعتُم"۔ (التغابن۔ ۱۶)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا: تم اللہ سے ڈرو جہاں تک ہوسکے۔

(فتاوٰی رضویہ، ج ر ۱۴، ص ر ۱۳۲، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا)

امام احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کی تحریروں کا مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واشگاف ہوجاتی ہے کہ آپ نے سلطنت عثمانیہ کی امداد اور تعاون کا کس درجہ اہتمام فرمایا۔ اس کی کچھ جھلکیاں ذیل میں ملاحظہ کریں:

☆ سلطنت عثمانیہ کی خیر خواہی امت کے ہر فرد پر فرض ہے۔

☆ ضرورت پڑنے پر سلاطین عثمانیہ کی مدد کی جائے، اس کے لیے قریشی ہونا شرط نہیں۔

☆شرعی اُمور میں رعایا ان کی اطاعت وفرمانبرداری کرے۔

☆حسب استطاعت، جان، مال، اور اعمال سے ان کی استعانت کی جائے۔
اگر ایسا کرنا کسی مسلمان کے لیے ممکن نہ ہو تو ان کے لیے اللہ کے حضور دعا کے واسطے مدد واستعانت چاہیئے۔

سلطنت اسلامیہ کے لیے اعلیٰ حضرت کی تجویز

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان نے مسلمانوں کو ترکی کی امداد کی طرف متوجہ فرمایا اور بہت معقول تجویز ارشاد فرمائی، کہ ایک مہینے کی آمدنی ہر شخص ترکی کو بھیج دے اور گیارہ ماہ کی آمدنی میں بارہ مہینہ بسر کرے اس سے کسی پر زیادہ جبر بھی نہیں ہوگا، وہ اس طور پر کہ سو روپیہ آمدنی والا اکانوے روپئے ساڑھے دس آنے میں مزے سے گذر کر سکتا ہے، اور ترکوں کو اس طرح سے لاکھوں پونڈ (انگریزی سکے) مل جائیں گے۔

(ملخص، حیات اعلیٰ حضرت، ج ر ۲، ص ر ۲۱، مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی)

سلطنت اسلامیہ اور اہلِ سنت کی سرگرمی

ترکی کے مسلمانوں کی مدد اور مقامات مقدسہ کی حفاظت کے لیے کئی تنظیمی میدان عمل میں آئیں، ان کی تحریکی مقاصد سے کسی کو کچھ اعتراض نہیں تھا، لیکن جو ترکیب اپنائی

جارہی تھی وہ کسی بھی طرح سلطنت عثمانیہ کے حق میں نتیجہ خیز دکھائی نہیں دے رہی تھی، ان کا دوسرا رخ یہ تھا کہ مسلمانان ہند جو ان تنظیمات سے وابستہ تھے وہ مذہبی اختلاف، سیاسی انتشار، اور معاشی بدحالی کا شکار ہونے لگے، ایسی سخت گھڑی میں حالات کا جائزہ لینے کے بعد ترکی مسلمانوں کی نصرت واعانت اور مقامات مقدسہ کے تحفظ میں امام احمد رضا خان فاضل بریلوی نے ۱۳۳۹ھ میں بریلی میں تین روزہ کانفرنس کا انعقاد کیا جس کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ سلطنت عثمانیہ کی حمایت وامداد اور مقامات مقدسہ کی حفاظت کی جائے۔ اس کے لیے آپ نے تین روزہ جلسہ منعقد فرمایا۔

(۱) پہلے دن کے اجلاس میں خلیفہ اعلیٰ حضرت مولانا نعیم الدین، مرادآبادی وعظ ونصیحت کے لیے کھڑے ہوئے اور اپنی تقریر میں یہ کہا کہ موجودہ وقت میں ''ترکی مسلمان'' مصیبت میں مبتلا ہیں، دشمن انہیں صفحہ ہستی سے مٹانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ سلطنت ٹکڑے ٹکڑے کردی گئی ہے، مخالف قوتیں دم بدم اپنے کام کو منزل مقصود کی طرف لے جانے میں لگی ہوئی ہیں۔ ایسے حالات میں جلد از جلد کوئی امداد واعانت پہنچانا ضروری ہے، اس کام کو انجام دینے کے لیے زیادہ سوچ بچار کر کے وقت کو برباد نہ کیا جائے۔

(۲) دوسرے دن کے اجلاس میں خلیفہ اعلیٰ حضرت پروفیسر سید سلیمان اشرف بہاری نے تقریر فرمائی، جس کا ماحصل یہ تھا کہ بریلی کا یہ عظیم الشان جلسہ برطانیہ کی گورنمنٹ سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنا اور تمام اتحادیوں کا اثر جزیرۃ العرب سے اٹھا کر مسلمان کو تکلیف سے آزاد رکھیں۔

(۳) تیسرے دن کے اجلاس میں مولانا مرادآبادی نے اپنے تقریر میں مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا کہ مسلمان ہوشیار ہوجائیں! اس لیے کہ جائز طور پر سلطنت

اسلامیہ کی اعانت وحمایت، مسلمان اور اسلام کی حفاظت کے لیے علماے اسلام نے ایک تنظیم قائم کی ہے جس کا نام ''انصار الاسلام'' ہے۔ ان شاء اللہ! یہ جماعت ہندوستان میں کام کرے گی۔ اس کانفرنس کے آخر میں سلطنت عثمانیہ کی حمایت میں یہ قرارداد منظور کی گئی:

''بریلی کا یہ جلسہ ترک اور عرب میں اتحاد پیدا کرنے کے لیے ایک وفد بھیجنا چاہتا ہے اور گورنمنٹ سے پرزور مطالبہ کرتا ہے کہ عرب میں ہمارے وفود کو باحفاظت پہنچانے کی ذمہ داری نبھائے۔

علماے اہلِ سنت وجماعت اور مسلمانوں کا عظیم الشان جلسہ برطانیہ کی گورنمنٹ سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنا اور اپنے تمام اتحادیوں کا اثر عرب سے اٹھا کر مسلمانوں کو مذہبی دست اندازی کی تکلیف سے معاف رکھے''۔

(ملخصاً سلطنت عثمانیہ کے تحفظ میں اعلیٰ حضرت کا کردار، ص/۲۰-۲۱، مطبوعہ: ادارہ تحقیقات امام احمد رضا)

سلطنت عثمانیہ کے لیے قنوتِ نازلہ

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی بارگاہ میں سلطنت عثمانیہ کی حمایت اور دشمنوں کی ہلاکت کے لیے قنوت نازلہ کے بارے میں سوال ہوا:

ماقولکم دام فضلکم نظر بر مصائب حاضرہ جنہوں نے آج کل بالخصوص سلطنت اسلامیہ عثمانیہ اور بالعموم تمام مسلمانان عالم کو گھیر رکھا ہے، بعض مفتیین جہری فرض نمازوں میں باآواز بلند قنوت خوانی کا فتویٰ دیتے ہیں۔

نمونتاً فتویٰ مولوی کفایۃ اللہ دہلوی کا لفافہ ھٰذا ہے علماے احناف اہل سنت کے نزدیک۔

(۱) وقت نازلہ قنوت تمام جہری فرض نمازوں میں ہے یا صرف فجر میں؟

(۲) بعد سمع اللہ لمن حمدہ ہاتھ اٹھا کر بالجہر پڑھی جائے یا کس طرح؟

(۳) یہ وقت اس کا مقتضی ہے یا نہیں کہ قنوت پڑھی جائے؟ بینوا اجرکم للہ.

جواب میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ والرضوان لکھتے ہیں:

قنوت نازلہ امام طحاوی وغیرہ شراح نے جائز رکھی ہے، وہ صرف نماز فجر میں ہے، اور ہمارے نزدیک بعد رکوع قنوت نازلہ کا محل نہیں ہے، قبل رکوع چاہیے۔

کمانص علیہ المحقق علی الاطلاق فی فتح القدیر اس ہندوستان میں اسلام اس وقت خود مسلمان کہلانے والوں کے ہاتھوں سے سخت نزع میں ہے، قنوت کا وقت ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

وہ رکعت ثانیہ میں بعد قرأت ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہیں اور امام ومقتدی سب آہستہ قنوت پڑھیں جس مقتدی کو یاد نہ ہو تو وہ آہستہ آہستہ آمین کہتا رہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاوی رضویہ، ج ر ۵، ص ر ۷۵، مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی)

❋❋❋

سلاطین عثمانیہ سنّی تھے!

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے سلاطین عثمانیہ کے لیے دعا کی اور یہ واضح کیا کہ وہ اہل سنت وجماعت سے تھے چنانچہ فرماتے ہیں:

”ترکی سلاطین ان پر رحمتیں ہوں، وہ خود اہل سنت تھے اور ہیں“۔

(فتاویٰ رضویہ، ج ر ۱۴، ص ر ۲۲۵، مطبوعہ: مرکز اہل سنت برکات رضا، گجرات)

اور ایک جگہ سلاطین عثمانیہ کی محبت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اجاگر کرتے

ہوئے فرماتے ہیں:

علامہ قطب الدین مکی حنفی معاصر امام ابن حجر مکی رحمہما اللہ تعالیٰ ”کتاب الاعلام باعلام بیت اللہ حرام“ ص، ۳۰۰ میں اس واقعہ کا ذکر فرماتے ہیں کہ جب سلطان مراد خان بن سلطان سلیم خان بن سلیمان خان رحمہم الرحمن نے ۹۸۴ھ میں باب عالی سے سونے کی تین قندیلیں بیش بہا جواہرات سے مرصّع محمد چادیش خان کے ہاتھ حاضر کی ہیں کہ دو کعبہ معظّمہ کے اندر آویزاں کی جائیں، اور ایک حجرہ مزار اطہر میں چہرۂ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل۔

(قندیل لے کر) مکہ مکرمہ آئے تو تمام علما وفقہا و سردار کعبہ کے ارد گرد جمع ہوئے، پھر آستانہ عالیہ کی طرف حضرت شریف و دیگر عظما کو خلعت پہنائے گئے، کعبہ معظّمہ کا دروازہ کھولا گیا، سیدنا شریف نے خلعت پہنا اور طواف کعبہ معظّمہ کیا، ادھر وہ طواف میں ہے، ادھر رئیس مؤذنان قبہ زمزم پر سلطنت و شریف کے لئے باآواز بلند دعا کر رہا ہے، اور تمام حاضرین دعا وآمین میں مشغول ہیں۔

بعد فراغ طواف ورکعتین طواف حضرت شریف کعبہ معظّمہ کے اندر حاضر ہوئے اور اپنے دست مبارک سے قندیلیں آویزاں کیں، سب حاضرین جملہ علما وفقہا و امرا و عظما نے فاتحہ پڑھی اور دعائیں کیں۔

علامہ ممدوح فرماتے ہیں: وہ دن بزرگ اور تمام اعیان مکہ کی حاضری کا تھا اور وہ وقت مبارک اور فرخندہ باسعادت تھا۔

پھر محمد چادیش باقی قندیلیں لے کر مدینہ طیبہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے علامہ فرماتے ہیں: ان کے پاس مدینہ طیبہ کے اکابر و عمائد علما و صلحا جمع ہوئے، حرم کریم میں محفل عظیم منعقد کی گئی، حجرۂ طاہرہ مزار پر انوار حضرت سید الابرار صلی

اللہ علیہ وسلم کھولا گیا، اور وہ سونے کی قندیلیں جواہر بے بہا سے مرصّع روئے انور سید اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کے مواجہ اقدس میں آویزاں کی گئیں۔

علامہ ممدوح اس حکایت کا خاتمہ ان لفظوں میں فرماتے ہیں:

"وهو اول من علق قناديل الذهب فى الحرمين من سلاطين ال عثمان خلد الله تعالى سلطنتهم وقد سبق بهذه المنقبة الشريفية ابائه السلاطين العظام".

یعنی سلاطین آل عثمان میں اللہ عزوجل ان کی سلطنت کو ہمیشہ رکھے کہ مراد خان نے اس کی پہل کی کہ حرمین طیبین میں سونے کی قندیلیں آویزاں کیں، وہ اس عظیم منقبت میں اپنے باپ دادا سلاطین پر سبقت لے گئے۔

(فتاوی رضویہ، ج/ ۷، ص/ ۳۲۸، ۳۲۹، مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی)

❖❖❖

سلطان عبد الحمید خان والی ترکی کی حمایت کا اعلان

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سلاطین ترک کی درست باتوں میں مدح سرائی کرتے تھے چنانچہ علامہ ظفر الدین بہاری علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:

"جب ۱۳۲۷ھ میں انور بے وغیرہ نے سلطان معظم عبد الحمید خان کے خلاف سازش کی اور ان کو تخت چھوڑنے پر مجبور کیا اور سلطان المعظم نے دور اندیشی سے کام لیا اور بغیر ایک قطرہ خون بہائے ملک میں اس انقلاب عظیم کو ہونے دیا۔ اگرچہ اعلیٰ حضرت امام اہلِ سنت انور بے وغیرہ کی اس حرکت کو پسندیدہ نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے (کیوں کہ وہ

خوب اچھی طرح جانتے تھے کہ ان ترک نوجوانوں میں محض یورپ کی نقالی ہے اور امرھم شوریٰ کا ذکر صرف مسلمانوں کو موہنے کے لیے ہی کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سلطان ترک کو تباہ کیا تو خود بھی تباہ وہ برباد ہوگیا) مگر سلطان المعظم عبدالحمید کی بہت تعریف کرتے تھے کہ مسلمانوں کے خون کی قدر کی اور اپنی سلطنت واقتدار کی پرواہ نہ کی اور شاعر کے اس مصرع کو سچا کر کے دکھادیا کہ۔ نیرزدکہ خونے چکد برزمیں"

(حیات اعلیٰ حضرت، ج ر ۲، ص ر ۱۳۱، مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی)

❁❁❁

طرابلس پر اٹلی حملہ اور اعلیٰ حضرت کی مالی اعانت

اسی طرح رجب ۱۳۳۱ھ میں اٹلی نے طرابلس الغرب پر حملہ کردیا اس سے ساری دنیاے اسلام میں یورپ کے خلاف رنج وغم کی لہر دوڑ گئی اور ہر شخص بقدر حیثیت اس میں حصہ لینے لگا حضرت مولانا سلیمان اشرف صاحب بریلی شریف تشریف لائے اور مسلمانان بریلی کو اس کی طرف متوجہ فرمایا۔ ان دنوں "مسجد بی بی جی" میں جہاں اعلیٰ حضرت کا "مدرسہ منظر اسلام" تھا مسلمانان اہل سنت بریلی کا اجتماع ہوا اور حضرت مولانا نے پرزور تقریر فرمائی تو اعلیٰ حضرت امام اہل سنت اپنی طرف سے مبلغ پانچ سو روپے عطا فرمائے۔ پھر کیا تھا کہ چندوں کی بارش شروع ہوگئی اور موسلا دھار بارش کی کیفیت ظاہر ہوئی تیرہ ہزار روپے جمع ہوگئے اور صرف یہی نہیں بلکہ اسی زمانے میں حامی دین وملت ناصر اہل سنت جناب حاجی محمد لعل خان صاحب قادری رضوی مینیجر حاجی عبداللہ علی رضا، زکریا اسٹریٹ، کلکتہ، خلیفہ مجاز اعلیٰ حضرت کے ایک سوال کے جواب میں پرزور تحریر قلم فرمائی اور مسلمانوں کو ترکی کی امداد کی صورتیں بتائیں اور اس میں ایسے ایسے امور ظاہر فرمائے جن

کو لے کر لیڈروں نے اپنا بنیادی اصول ترک موالات قرار دیا حالاں کہ اس سے پہلے ان وہم وگمان میں بھی یہ باتیں نہ تھیں۔ (حیات اعلیٰ حضرت ج ۲، ص ۱۴، مطبوعہ: امام احمد رضا اکیڈمی)

✿✿✿

حرفِ آخر

قارئین کرام! آپ نے گذشتہ صفحات میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمۃ کی سلطنت عثمانیہ اسلامیہ کے ساتھ محبت، حمایت اور اس کے تحفظ میں قلمی، لسانی، تنظیمی اور مالی جہاد کو ملاحظہ کیا۔ اور اس حقیقت پر مطلع ہوئے کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کا تحریک خلافت کی مخالفت کرنا سلطنت عثمانیہ کی مخالفت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ اس تحریک کے غلط طریقۂ کار اور غیر شرعی امور میں ملوث ہونے اور اس میں پوشیدہ غلط مقاصد کی بیخ کنی کے لیے تھا۔

یوں ہی سلطنت عثمانیہ کو خلافت شرعیہ نہ تسلیم کرنا آپ کا ذاتی موقف نہ تھا بلکہ احادیث نبویہ اور کلام اسلاف کی پیروی میں تھا اور آپ اس موقف میں حق بجانب تھے۔ مگر اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ آپ سلطنت عثمانیہ کے خلاف تھے یہ وہ سفید جھوٹ ہے جس کا انکشاف سطور بالا کے مطالعہ کے بعد بخوبی ہو چکا ہے۔ اسی لیے تاج العلما مفتی محمد عمر نعیمی نے کہا تھا اور درست کہا تھا:

> ''کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ دین اسلام کا حامی اور شریعت کا پاسدار (حضرت احمد رضا) کو سلطنت اسلامیہ اور مقامات مقدسہ کا مخالف سمجھا جائے اور وہ وہابیہ جن کے نزدیک بقیہ دنیا مشرک ہے، قبے بنانا ناجائز اور ڈھانا جائز ٹھہرا وہ اس کے حامی و مددگار سمجھے جارہے ہیں''۔

✿✿✿

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے دس نکاتی پروگرام

(۱) عظیم الشان مدارس کھولے جائیں۔ باقاعدہ تعلیمیں ہوں۔

(۲) طلبہ کو وظائف ملے کہ خواہی نہ خواہی گرویدہ ہوں۔

(۳) مدرسین کی بیش قرار تنخواہیں ان کی کاروائیوں پر دی جائیں۔

(۴) طبائع طلبہ کی جانچ ہو جو جس کام کے زیادہ مناسب دیکھا جائے۔ معقول وظیفہ دے کر اس میں لگایا جائے۔

(۵) ان میں جو تیار ہوتے جائیں تنخواہیں دے کر ملک میں پھیلائے جائیں کہ تحریر و تقریر اور وعظ و مناظرہ واشاعت دین و مذہب کریں۔

(۶) حمایت مذہب ورد بد مذہباں میں مفید کتب ورسائل مصنفوں کو نذرانے دے کر تصنیف کرائے جائیں۔

(۷) تصنیف شدہ اور نو تصنیف رسائل عمدہ اور خوش خط چھاپ کر ملک میں مفت تقسیم کیے جائیں۔

(۸) شہروں شہروں آپ کے سفیر نگراں رہیں جہاں جس قسم کے واعظ یا مناظر یا تصنیف کی حاجت ہو آپ کو اطلاع دیں، آپ سرکوبی اعدا کے لیے اپنی فوجیں، میگزین اور رسالے بھیجتے رہیں۔

(۹) جو ہم میں قابل کار موجود اور اپنی معاش میں مشغول ہیں وظائف مقرر کر کے فارغ بال بنائے جائیں اور جس کام میں انھیں مہارت ہو لگائے جائیں۔

(۱۰) آپ کے مذہبی اخبار شائع ہوں اور وقتاً فوقتاً ہر قسم کے حمایت مذہب میں مضامین تمام ملک میں بقیمت و بلا قیمت روزانہ یا کم سے کم ہفتہ وار پہنچاتے رہیں۔

دار العلوم غوثیہ ضیاء القرآن، کرلا، ممبئی

دار العلوم غوثیہ ضیاء القرآن عروس البلاد ممبئی کے مردم خیز علاقہ ''کرلا'' میں واقع ہے۔

۱۹۵۹ء میں غوثیہ مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا اور ایک عارضی میں نماز با جماعت شروع ہوئی۔

۱۹۷۴ء میں مسجد کی توسیع کے ساتھ ''ضیاء القرآن'' کے نام سے مدرسہ کا قیام عمل میں آیا اور علاقائی بچوں کے لیے بنیادی تعلیم کا آغاز ہوا۔

۱۹۸۵ء میں مدرسہ کو دار العلوم غوثیہ ضیاء القرآن کی شکل دے کر حفظ و قرأت کے شعبوں کا قیام عمل میں لایا گیا۔

۱۹۹۰ء میں غوثیہ مسجد و دار العلوم کی دوبارہ توسیع کا کام شروع ہوا، اور شاندار تین منزلہ پر شکوہ عمارت تیار ہوئی۔

۱۹۹۱ء میں پہلا سالانہ دستار بندی کا اجلاس ہوا، اور حفاظ و قراء کو سند و دستار سے سرفراز کیا گیا۔

۲۰۰۳ء سے ان شعبوں کا آغاز ہوا۔ (۱) درس نظامیہ (۲) دار الافتاء (۳) دار التحقیق (۴) رضا لائبریری و دار المطالعہ (۵) تبلیغی مشن

۲۰۰۷ء میں پہلا جشن دستار فضیلت منعقد ہوا، اور علمائے کرام کو سند و دستار سے نوازا گیا۔ بفضلہ تعالیٰ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔

۲۰۰۸ء میں ذمہ داران نے وقت کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے عصری علوم (انگلش، کمپیوٹر) کو داخل نصاب کیا۔

۲۰۱۱ء میں آن لائن علوم اسلامیہ کی ترویج و اشاعت کے لیے ''www.ghausiya.org'' کے نام سے ادارے کی ویب سائٹ کا اجرا ہوا۔

۲۰۱۵ء میں سنّی رضا جامع مسجد کپاڈیہ نگر سے ملحق عمارت میں ''مدرسۃ البنات الغوثیہ'' کے نام سے بچیوں کو عالمہ فاضلہ بنانے والے ادارہ کا قیام اور تعلیم کا آغاز ہوا۔

الحمد للہ! غوثیہ ضیاء القرآن سے بے شمار حفاظ، قراء اور علما فارغ ہو کر مختلف مقامات پر اسلام وسنیت کا کام کر رہے ہیں اور ادارہ کے جملہ اساتذہ و معاونین مسلک اعلیٰ حضرت کے فروغ کے لیے شب و روز کوشاں ہیں۔ لہٰذا ملت کا درد رکھنے والے جیالوں سے اپیل ہے کہ اہل سنت و جماعت کے اس مضبوط قلعے کو مستحکم کرنے کے لیے ہر ممکن سعی فرمائیں۔۔۔
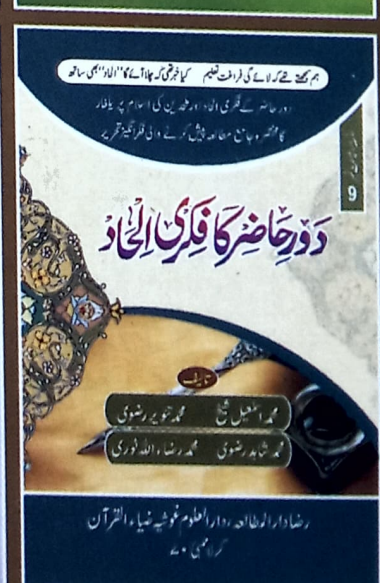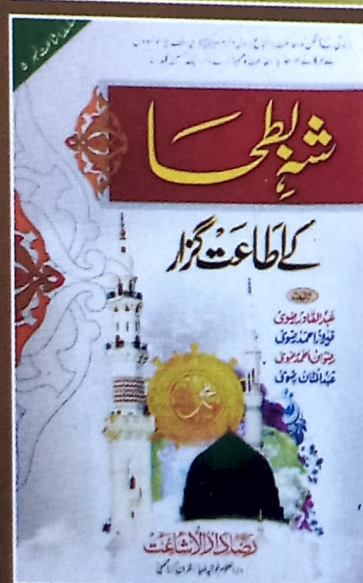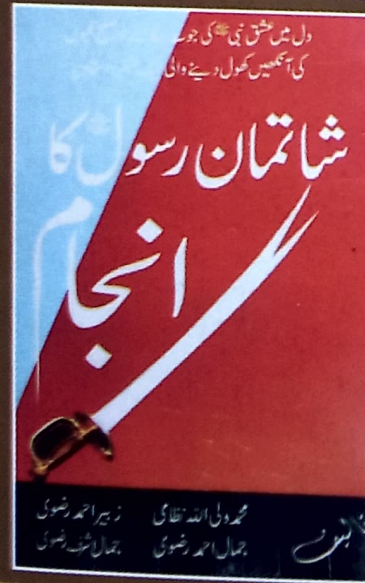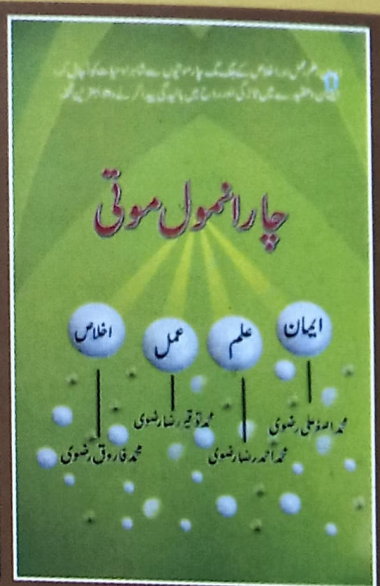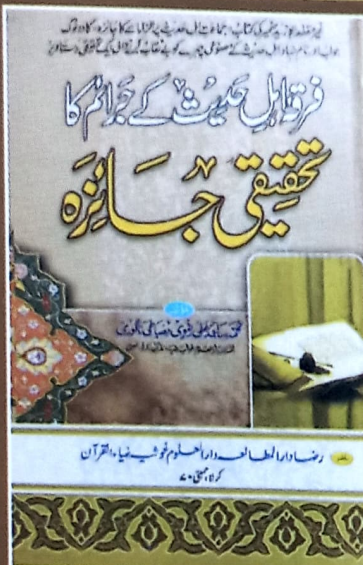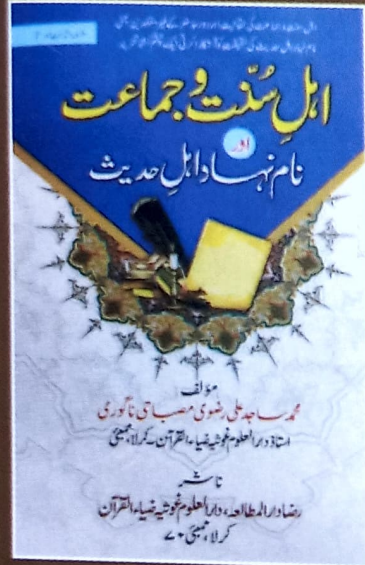
Design by : Adnan Graphics Delhi, 7011750164

Raza Darul Mutaal'a
Darul Uloom Gausiya Ziyaul Qur'an
Kurla, Mumbai 70